نیلم زرفشاں

مری نظروں میں ہے آبِ رواں بھی
مری دھڑکن ہے نیلم زرفشاں بھی
ہر اک شئے مجھ پہ اب بھی مہرباں ہے
زمیں کا ذکر کیا یہ آسماں بھی

صلاح الدین نیّر

تاریخ ماہ و سن اشاعت ..... ۱۵ر ستمبر سنہ ۲۰۰۶ء
تعدادِ اشاعت ۵۰۰
قیمت ..... ۸۰ روپے
طباعت ...... اعجاز پرنٹنگ پریس چھتہ بازار حیدرآباد
سرورق طباعت .... " " " "
ناشر .... صلاح الدین نیر

جزوی تعاون اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش

ملنے کا پتہ

- حسامی بکڈپو۔ مچھلی کمان۔ ینتھر گٹی۔ حیدرآباد ۲
- مصنف ۷/۸۲۴۔۳۔۱۱ جدید ملے پلی۔ حیدرآباد ۱
فون ۳۳۴۰۱۵

انتساب

"نیلم زرفشاں" کو میں اپنے پوتوں، پوتیوں، شہریار (فرزند منہاج الدین خسرو) عمر ۳ سال ۵ ماہ۔ شہباز (فرزند سراج الدین سلیم) عمر ۳ سال ایک ماہ۔ صدف (بنت شمس الدین عارف) عمر ۲ سال ابرار (فرزند منہاج الدین خسرو) عمر ۱۱ ماہ۔ صنوبر (بنت سراج الدین سلیم) عمر ۵ ماہ اور نصر (فرزند نعیم الدین پرویز) عمر ۲ ماہ — کے نام معنون کر رہا ہوں۔ جو میرے گلشنِ حیات کے تر و تازہ پھول ہیں جن کی خوشبو میرے جسم و جاں کو ہی نہیں میرے آنگن کے ہر گوشہ کو مہکا رہی ہے اور جو اپنے روشن مستقبل کی روشن حقیقت ہیں

صلاح الدین نیئر

ترتیب و تزئین

نظمیں

حرفِ اول

"نیلم زرفشاں" میرا گیارہواں مجموعۂ کلام ہے جس میں تمام کی تمام میری ایسی شاعری شامل ہے جو پچھلے کسی بھی مجموعے میں شامل نہیں ہے۔ میرا دسواں شعری مجموعہ "کیا کیا جائے" ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا تھا۔

اس مجموعۂ کلام (نیلم زرفشاں) میں نعتوں غزلوں کے علاوہ مختلف موضوعات پر نظمیں اور قطعات شامل ہیں۔ تاحال میری اور مجھ سے متعلق ۲۳ کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ میری زیر نگرانی زائد از ۵۰ کتابیں اور بہت سے سوونیر بھی شائع ہوئے ہیں اس مجموعۂ کلام سے پہلے شائع شدہ مجموعۂ کلام "کیا کیا جائے" کی رسم اجراء تقریب ۱۹۹۵ء راج بھون میں منعقد ہوئی تھی اس وقت کے گورنر آندھرا پردیش (اور موجودہ نائب صدر جمہوریہ ہند عالیجناب کرشن کانت میزبانِ محفل تھے۔ "کیا کیا جائے" کی رسم اجراء گورنر صاحب نے انجام دی تھی۔ گیان پیٹھ ایوارڈ یافتہ تلگو اور اردو کے عظیم شاعر ممتاز عثمانین ڈاکٹر سی نارائن ریڈی نے صدارت کی تھی اور ڈاکٹر سید عبدالمنان صدر انجمن ترقی اردو آندھرا پردیش اور پروفیسر جعفر نظام سابق وائس چانسلر کاکتیہ یونیورسٹی مہمانانِ خصوصی تھے ممتاز شاعر جناب رئیس اختر ناظم ادبی اجلاس تھے۔ رسمِ اجراء تقریب کے

فوری بعد گورنر صاحب کی خواہش پر محفلِ شعر منعقد ہوئی جس میں شہر کے نمائندہ شاعروں نے کلام سنایا تھا۔

اس مجموعۂ کلام (نیلم زرفشاں) کی اشاعت کے بعد انشاء اللہ جلد ہی میرے ادبی مضامین اور "خوشبو کا سفر کے منتخب اداریئے" کتابی شکل میں منظرِ عام پر آئیں گے۔

اس کتاب کی اشاعت کے دوران مجھے اپنی منہ بولی بہن صالحہ الطاف (مدیرِ خاتونِ دکن) بہت یاد آتی رہیں میری پہلی کتاب "گلِ تازہ" کی اشاعت سے لے کر "سائبان" کی اشاعت تک ترتیب و تزئین کے سلسلے میں مجھے صالحہ آپا سے مشورہ حاصل رہا۔ آج میں ان کی کمی شدت سے محسوس کر رہا ہوں۔ (جو ہم میں اب نہیں ہیں)

اس مجموعۂ کلام کا نام میں نے اپنی چھوٹی نواسی نیلم زرفشاں کے نام پر رکھا ہے اس کتاب سے پہلے کی کتابوں "کہکشاں" اور "گلفشاں" کے نام بھی میں نے علی الترتیب اپنی پیاری پیاری نواسیوں انجم کہکشاں اور شبنم گلفشاں کے نام پر رکھا ہے ــــ

ہر شاعر و ادیب کو اپنی کتاب کی اشاعت پر بے حد خوشی محسوس ہوتی ہے۔ مجھے یاد ہے کہ جب میرا پہلا مجموعۂ کلام گلِ تازہ ۱۹۶۵ء میں شائع ہوا تھا تو میں فرطِ مسرت، عقیدت، محبت و احترام میں گلِ تازہ کی پہلی جلد اپنی والدہ محترمہ کے گود میں رکھنے کی سعادت حاصل کی تھی۔ اس وقت خوشی سے میری پلکیں بھیگ گئی تھیں۔ گلِ تازہ کی دوسری، تیسری، چوتھی کاپی میں نے اپنی منہ بولی بہنیں صالحہ الطاف،

رخسانہ (ڈاکٹر صابرہ سعید) اور عذرا سعید کے علاوہ ایک جلد فاطمہ نسرین کو بھی دی تھی جو گلِ تازہ کی تخلیق کی محرک تھیں۔

گلِ تازہ کی رسمِ اجرا، تقریب عالیشان پیمانے پر اُردو ہال، حمایت نگر میں منعقد ہوئی تھی جس میں شہر کے تمام مشاہیر اُردو، پروفیسر حبیب الرحمٰن، پروفیسر ہارون خان شروانی، عابد علی خان، محبوب حسین جگر، مخدوم محی الدین، رفیعہ سلطانہ، ڈاکٹر حسینی شاہد، ڈاکٹر سیدہ جعفر وغیرہ وغیرہ شریکِ محفل تھے۔ استاذ المحترم پروفیسر ابوظفر عبدالواحد نے رسمِ اجرا انجام دی تھی۔ اس تقریب کو ڈاکٹر زینت ساجدہ اور ڈاکٹر مغنی تبسم نے بھی مخاطب کیا تھا۔ گلِ تازہ کی اشاعت کے بعد میری اور مجھ سے متعلق کئی کتابیں شائع ہوئیں ان کی اشاعت کی خوشیاں بھی اپنی اپنی نوعیت کی حامل تھیں۔

میری شاعری کا بنیادی طور پر کلاسیکی شعر و ادب سے گہرا تعلق ہے لیکن میری شاعری میں ترقی پسندانہ خیالات کے ساتھ ساتھ عصری آگہی کے رجحانات ملیں گے۔ میں نے ہمیشہ اعلیٰ اقدار، تہذیبی روایات، انسانی رشتوں، زندہ اور روشن حقیقتوں کو اپنی شاعری میں جگہ دی ہے۔ رشتوں کی پاسداری اور تہذیبی قدروں کا تسلسل میری شاعری میں ملے گا۔

اب کی بار بھی نہایت خلوص کے ساتھ اپنی کتاب "تیلم زرفشاں" شائقین شعر و ادب کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ مجھے یقین ہے کہ باذوق صاحبانِ علم و فن پچھلی کتابوں کی طرح اس کتاب کی بھی

پذیرائی کریں گے۔
"سلیم زرفشاں" اردو اکیڈیمی آندھرا پردیش کی جزوی رقمی امداد سے شائع ہوئی ہے جس کے لئے میں اردو اکیڈیمی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ جناب انور مسعود صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے بر وقت کتابت کی۔ استادِ محترم پروفیسر سید محمد صاحب کے نیک و صالح فرزند مالک اعجاز پریس جناب انور محمد کا بھی ممنون ہیں کہ انہوں نے اس کتاب کی اشاعت میں کافی دلچسپی لی۔ میں اپنے تمام اہلِ خاندان کا بھی شکر گذار ہوں کہ انہوں نے میری شعری مصروفیات میں مجھ سے ہمیشہ تعاون کیا۔
الحمد اللہ میں آج بھی اپنے شعری و ادبی سفر میں مسلسل مصروف ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ انتہائی خوشگوار ماحول میں میرا ادبی سفر جاری ہے خوشبو کے سفر کی طرح۔

صلاح الدین نیر

کہکشاں۔
ملے پلی۔ حیدر آباد

ہم ہیں کچھ ایسے قلندر بھی رہا کرتے ہیں
ہاتھ میں کچھ بھی نہیں پھر بھی دیا کرتے ہیں

کملی والے نے عطا کی ہے ہمیں ایسی نظر
کس کا دربار ہے پہچان لیا کرتے ہیں

کون سے شہر سے نسبت ہے کوئی گر پوچھے
ہم مدینے کی طرف دیکھ لیا کرتے ہیں

شور دنیا ہے بہت تربت کی راہوں میں مگر
ہم تو صرف آپ کی آواز سنا کرتے ہیں

اُمتی آپ کے ہیں آپ کی چوکھٹ کے فقیر
آپ جس حال میں رکھتے ہیں رہا کرتے ہیں

ہم کو اُن خاک نشینوں سے ملا دے یا رب!
جو محمد کی نگاہوں میں رہا کرتے ہیں

دل میں ہے یادِ نبی لب پہ ہے پیغام رسول
اہلِ دل کتنے سلیقے سے جیا کرتے ہیں

اتنا ہم جانتے ہیں اُن میں ہے نیر شامل
جو غلام آپ کے قدموں میں رہا کرتے ہیں

روشن روشن دیدۂ تر ہے
آپ کا دامن پیشِ نظر ہے

جان بھی جاتی ہے تو جائے
آپ کی چوکھٹ پہ سر ہے

سوچ رہا ہوں کیا ہوگا
آپ کا جو منظورِ نظر ہے

آپ کے در پہ کیا نہیں ملتا
آپ کے سب کچھ زیرِ اثر ہے

عرش سے آگے آپ کی منزل
کیسا یہ خوشبو کا سفر ہے

میری بھی پہچان سلامت
آپ کا یہ فیضانِ نظر ہے

آلِ نبی کے ذکر سے نیر
کتنا روشن میرا گھر ہے

آپ نے ایسا منصب عطا کر دیا
ایک پتھر کو بھی آئینہ کر دیا

ہاتھ اُٹھانے کی جب مجھ میں طاقت نہ تھی
میں نے اشکوں کو نذرِ دُعا کر دیا

دل سے نکلی مدینے کی ٹھنڈی ہوا
دل کا دروازہ جب میں نے وا کر دیا

سب کا دامن ہے بھیگا ہوا آج بھی
چشمِ نم نے مری ایسا کیا کر دیا

اب کہاں کی رہی فکرِ سود و زیاں
کملی والے نے سب کا بھلا کر دیا

جب بھی تیرؔ ہوا ختم اپنا سفر
خود کو وقفِ درِ مصطفےٰ کر دیا

ضرورت سے بڑھ کر میں کیا مانگتا ہوں
حضورؐ آپ کے نقشِ پا مانگتا ہوں

گنہ گار ہوں، دیدۂ نم کی خاطر
مدینے کی ٹھنڈی ہوا مانگتا ہوں

بھگوتی رہے مجھکو بارانِ رحمت
میں اک ایسا دستِ دعا مانگتا ہوں

قلندر ہوں بیٹھا ہوں چوکھٹ پہ آکر
یہ مجھ سے نہ پوچھو میں کیا مانگتا ہوں

مدینے کی گلیوں میں پہونچادے یارب
یہی آخری اک دعا مانگتا ہوں

غلامانِ آقاؐ کی قربت کی خاطر
میں مسند نہیں بوریا مانگتا ہوں

جہاں معجزہ کی بشارت ہو نیّر
میں ایسا ہی اک سلسلہ مانگتا ہوں

●

بنا ہے ایک اک آنسو گُل تر
رسول اللہ کے دامن میں رہ کر
سفر تھا اس طرح عرشِ بریں کا
ابھی تک گرم ہے آقا کا بستر
جہاں بھی ہو مرے آقا کا دامن
وہاں مل جائے گا ہر دیدۂ تر
بہت اونچائیوں پر اُڑ رہا ہوں
یہ ہے کیسا کرم آقا کا مجھ پر

سفر سے پہلے میں بکھرا ہوا تھا
ہوا ہوں پاس میں نزدیک آکر

کہیں نیچے نہ اُس کا سر جھکے گا
جھکا ہے جس کا سر آقا کے در پر

کس نے یہ کہہ دیا مرا دامن بھرا نہیں
اِس در سے خالی ہاتھ کوئی لوٹتا نہیں

خوشبوئے جسم پاک بھی ہے نقشِ پا بھی ہیں
اے چشمِ نم مدینے کی گلیوں میں کیا نہیں

آنسو بھی ہمسفر تھے درِ مصطفےٰ تلک
پھر اِس کے بعد میں کبھی تنہا ہوا نہیں

دستِ طلب کو دیکھ کے یہ سوچتا ہوں میں
اہلِ طلب کو آقا نے کیا کچھ دیا نہیں
تنہا نہ ہونے دے گی مجھے نسبتِ رسولؐ
دامن نبیؐ کا ہاتھوں سے اب چھوٹتا نہیں

عقبیٰ بھی ہے یہیں مری دُنیا بھی ہے یہیں
نیّر مرے رسولؐ کے قدموں میں کیا نہیں

●

عرشِ اعلیٰ پہ آپؐ کا وہ سفر
گرم تھا گرم ہی رہا بستر

آپؐ کو دیکھوں دیکھتا ہی رہوں
میرے آقا عطا ہو ایسی نظر

بس یہی ایک آرزو ہے مری
دامنِ آقا کا میرا دیدۂ تر

اِس طرح سے نوازیئے ہم کو
ہر طرف ہم چلیں اُٹھا کے سر
وہ کہیں پہ بھی رک نہیں سکتا
آپؐ کا ہاتھ جس کے ہو سر پر

نیّر اپنا یہی ٹھکانہ ہے
ختم ہوگا یہیں پہ اپنا سفر

●

سبز گنبد پہ نظر جب بھی ٹھہر جاتی ہے
صرف دُنیا نہیں، عقبیٰ بھی سنور جاتی ہے

چھاؤں طیبہ کی جب آنگن میں اُتر جاتی ہے
دھوپ جتنی ہے مرے سر پہ گذر جاتی ہے

پاس ہوں پھر بھی تشفّی نہیں ہوتی مجھکو
دیکھ لیتا ہوں جہاں تک بھی نظر جاتی ہے

جب پہونچ جاتا ہوں میں روضۂ اقدس کے قریب
روشنی دل کی نگاہوں میں اُتر جاتی ہے

مانگنے ہی کی ضرورت نہیں مجھ کو نیّر
جب بلا مانگے ہی جھولی مری بھر جاتی ہے

●

کتنا بلند و بالا ہے اُس شخص کا مقام
لیتا ہے رب کے ساتھ جو خیرالوریٰ کا نام

آنکھوں میں پھر رہے ہیں مدینے کے صبح و شام
یارب وہیں پہ گزرے مری زندگی تمام

دل کہہ رہا ہے دیدۂ پُرنم کے ساتھ ساتھ
روضہ پہ ختم ہوگا مرا آخری سلام

جاتی ہے اُس کی عرشِ معلّٰی تلک نظر
رہتا ہے پاس آپ کے جب آپ کا غلام

کافی ہے اِتنا اپنی شفاعت کے واسطے
ہے آپ کے غلاموں میں شامل ہمارا نام

کوئی نہ ساتھ دے گا بہ جُز دامنِ رسولؐ
اشکوں کو لیکے پھرتے رہو زندگی تمام

ملتا ہے اُس سے اشکِ ندامت کا سلسلہ
نیّرؔ کروں گا دیدۂ پُرنم کا احترام

ہر اک لمحہ سہارا آپؐ کا ہے
مری آنکھوں میں روضہ آپؐ کا ہے

سفر یہ سوچ کر ہی کر رہا ہوں
مری کشتی، کنارا آپؐ کا ہے

جہاں بھی آپ چاہیں گے جھکے گا
مرا سر، میرا سجدہ آپؐ کا ہے

اگر طوفان آتے ہیں تو آئیں
مرا کیا ہے سفینہ آپؐ کا ہے

اندھیروں سے مجھے کیا لینا دینا
مرے گھر میں اجالا آپؐ کا ہے

منور کیوں نہ ہو نیّر کی دنیا
کہ اس کے دل میں جلوہ آپؐ کا ہے

●

آہستہ قدم رکھنا دربارِ رسالت ہے
سرکار کی قربت کا ہر لمحہ عبادت ہے
میں کچھ بھی نہ کر پایا پھر بھی یہ عنایت ہے
برسوں سے مرے سر پر اک دستِ شفاعت ہے
لکھا تو بہت کچھ ہے پڑھنے کی ضرورت ہے
ہر گوشۂ عالم میں پیغامِ رسالت ہے
جب نام محمدؐ کا آجاتا ہے ہونٹوں پر!
میں سر کو جھکاتا ہوں برسوں کی یہ عادت ہے
کچھ سوچ تو لیتے ہیں عصیاں بھری دنیا میں
صد شکر کہ ہم کو بھی احساس ندامت ہے
پروانہ صفت بن کر ہو تجدہ گاہیں روضہ پر
مائل بہ کرم مجھ پر جب شمع رسالت ہے
اُس نورِ مجسم کا دامن نہیں چھوٹے گا
اِس کفر کی دنیا میں ایمان سلامت ہے
اسرار زمانے کے کھل جائیں گے اُس پر بھی
جس شخص کے دل میں بھی ایماں کی حرارت ہے

آندھی ہو کہ طوفاں ہو کیوں فکر رہے تبسمؔ
سر اپنا چھپانے کو جب دامنِ رحمت ہے

دھواں دھواں ہیں اگر ہم تو کہکشاں ہیں حضور
زمیں کی طرح سے ہم ہیں تو آسماں ہیں حضور

وہ حسنِ خاص ہے نظریں کہاں سے لاؤ گے
تلاش کرتے رہو حسنِ بے کراں ہیں حضور

بہرِ عقیدہ سر ہوں تو دستار مل ہی جائے گی
جو بے مکان ہیں ان کے بھی سائباں ہیں حضور

جہاں پہ سرحدِ ادراک ختم ہوتی ہے
اسی اک مقام پہ ہی دیکھئے وہاں ہیں حضور

میں کس زباں سے تہی دامنی کا شکوہ کروں
مرے خدا کی طرح مجھ پہ مہرباں ہیں حضور

ہمارا کام تو رہبر کے ساتھ چلنا ہے
سنبھال لیں گے ہمیں میرِ کارواں ہیں حضور

یہاں پہ رہ کے بھی ہم سربلند ہیں نصیر
خدا کا شکر ہے امت کے پاسباں ہیں حضور

●

اے چشمِ نم! مدینے کی گلیوں میں کیا نہیں
اُس سرزمیں کو کوئی کبھی بھولتا نہیں

روزِ ازل سے دونوں جہاں میں ہے روشنی
ایسا چراغ دہر میں اب تک جلا نہیں

ہم نے یہی سُنا ہے ہر اک عاشقِ رسول
دیدارِ مصطفیٰ کے بِنا لوٹتا نہیں

مہکے ہوئے ہیں کتنے مدینے کے صبح و شام
خوشبوئے مصطفیٰ سے کسے واسطہ نہیں

سب اہلِ دل ہمیشہ ہی کہتے رہے ہیں یہ
سر جس کا جھک گیا ہے یہاں سے اُٹھا نہیں

نیّر بپا انجمن ہے درود و سلام کی
اُٹھ کر یہاں سے جانے کو جی چاہتا نہیں

•

میں آپ سے کب حد سے سوا مانگ رہا ہوں
تھوڑی سی مرے گھر کیلئے ضیا مانگ رہا ہوں

برسوں سے مری گنبدِ خضرا پہ نظر ہے
مجھکو نہیں معلوم کہ کیا مانگ رہا ہوں

شامل ہوں غلامانِ نبی میں یہ بہت ہے
کب اپنی محبت کا صلہ مانگ رہا ہوں

بیٹھا رہوں چوکھٹ پہ قلندر کی طرح سے
اس طرح سے جینے کی ادا مانگ رہا ہوں

پُر نور ہوئی جس سے مری چشمِ ندامت
مدت سے وہی ٹھنڈی ہوا مانگ رہا ہوں

نیّر نہ جُدا جسم سے ہو خاکِ مدینہ
اک عمر سے یہ ایک دُعا مانگ رہا ہوں

●

سانحہ بن کے ترا نقصان بھی ہو سکتا ہے
میری خاطر تو پریشان بھی ہو سکتا ہے
میں مسافر ہوں چلا جاؤں گا میرا کیا ہے
سوچ لے تو میرا مہمان بھی ہو سکتا ہے
وقت لگ جائے گا احساس ندامت کے لئے
دل ہے مغرور پشیمان بھی ہو سکتا ہے
دشت وحشت میں تجھے چھوڑ کے جانے والے
تیرا غم میرا نگہبان بھی ہو سکتا ہے
بدگماں ہو کے بھی حالات پہ رکھئے گا نظر
ملنے والا کبھی انجان بھی ہو سکتا ہے
گرم موسم کی ہواؤں سے بچاؤ اس کو
یہ گلستاں کبھی ویران بھی ہو سکتا ہے

بے وفا دوست سے مل کر کبھی کہنا تیبرؔ
دل ہے کافر تو مسلمان بھی ہو سکتا ہے

●

منتظر نگاہوں میں روشنی بھی اُن کی ہے
چاند بھی اُنھیں کا ہے چاندنی بھی اُن کی ہے

وہ جہاں بھی لے جائیں اُن کے ساتھ چلتا ہوں
راستے بھی اُن کے ہیں رہبری بھی اُن کی ہے

ہم تو اک وسیلہ ہیں حسن کے تصرف کا
یہ قلم بھی اُن کا ہے شاعری بھی اُن کی ہے

حکم اُن کا چلتا ہے وہ ہیں صاحبِ گلشن
پھول بھی انہیں کے ہیں تازگی بھی اُن کی ہے

دوست کی رضا پر جو دل سے ہو گئے راضی
موت بھی انہی کی ہے زندگی بھی ان کی ہے

میر اور غالب کے پاؤں چھو کے کہتا ہوں
وہ صدی بھی اُن کی تھی یہ صدی بھی اُن کی ہے

ہم بھلا بے سبب تیرؔ مفت میں ہوئے بدنام
عشق بھی اُن ہی کا ہے عاشقی بھی اُن کی ہے

●

ابھی ابھی تھی یہاں کہکشاں کہاں ہے میاں
زمین چھوٹ گئی آسماں کہاں ہے میاں

ذرا سی چوٹ پہ بے چین سا یہ رہتا ہے
مرا ضمیر ہے یہ بے زباں کہاں ہے میاں

یہ کیسا گھر ہے کہ ہر وقت حبس رہتا ہے
ہے سر پہ دھوپ مگر سائباں کہاں ہے میاں

مہک بدن میں ہے اب تک بھی جس کی خوشبو کی
مرا وہ دوست مرا مہرباں کہاں ہے میاں

تمہاری طرح سے ہے صاف آئینہ کی طرح
دل غریب مرا بدگماں کہاں ہے میاں

لسانیات پہ تقریر کر رہے ہو مگر
تمہارے گھر میں بھی اردو زباں کہاں ہے میاں

وہ کارواں جو بہت جلد لٹنے والا ہے
ہمیں بتائیے وہ کارواں کہاں ہے میاں

کہاں یہ لائے ہو نیتا کہ یہ تو بھارت ہے
ہمارے پرکھوں کا ہندوستاں کہاں ہے میاں

●

یہ گھر بھی اس کا ہے یہ پاسبان بھی اُس کا
رہے گا ساتھ مرے امتحان بھی اُس کا

تھکا ہوا سا مسافر ہوں چھاؤں دے گا کون
شجر بھی اُس کا ہے یہ سائبان بھی اُس کا

بتاؤں کس طرح نیچے اتر کے بات کروں
کہ میری طرح ہے اونچا مکان بھی اُس کا

مجھے یہ فکر ستاتی ہے میں کہاں جاؤں
زمین اُس کی ہے یہ آسمان بھی اُس کا

وہیں سے ملتی ہے مجھ کو بھی روشنی اکثر
نہیں ہے باقی جہاں پر نشان بھی اُس کا

تمام رات میں سنتا رہا حکایتِ دل
بیان اُس کا ہے حسنِ بیان بھی اُس کا

میں اُس کے گھر کی طرف بار بار جاتا ہوں
سنا ہے مہربان بہت خاندان بھی اُس کا

میں ایسے شخص سے کیا گفتگو کروں نیّر
یقین بھی ہے اُسی کا گمان بھی اُس کا

●

غزل میں آپ کی جتنا ہے نور میرا ہے
خیال آپ کا لیکن شعور میرا ہے
تمہارا ساتھ نہیں دے گا اس کو مت جھجھونا
قلم تمہارا نہیں ہے حضور میرا ہے
مرے خدا مجھے بینائی کی ضرورت ہے
میں کس زباں سے کہوں کوہِ طور میرا ہے
کبھی تم اپنی بھی آنکھوں میں جھانک کر دیکھو
نشہ تمہارا ہے ان میں سرور میرا ہے
کیا ہے تم نے ہی محروم غم کی دولت سے
بھروسہ تم پہ کیا تھا قصور میرا ہے
بچا کے لایا ہوں اس کو میں قتل گاہوں سے
یہ سر تمہارا نہیں ہے حضور میرا ہے
تمہاری بزم میں آنے میں دیر لگتی ہے
قریب سب کے ہیں گھر سب سے دور میرا ہے

خدا کے واسطے نیر سے بدگمان نہ ہوں
میں پیار کرتا ہوں سارا قصور میرا ہے

●

فرشتے ہم نہیں جو آسماں میں رہتے ہیں
غریب لوگ ہیں ہندوستاں میں رہتے ہیں

بہت ہی چاہا انہیں منزلِ یقیں نہ ملی
تمام عمر جو وہم و گماں میں رہتے ہیں

سنائی دیتی نہیں جن کو صبح کی دستک
کچھ ایسے لوگ ہی خوابِ گراں میں رہتے ہیں

کچھ اور صبر ابھی کوئی اُن کو نام نہ دو
کئی ستارے ابھی کہکشاں میں رہتے ہیں

فقیر زادوں کا کوئی نہیں ٹھکانہ مگر
یقین کیجیے وہ سارے جہاں میں رہتے ہیں

جو لمحے ڈوب گئے وقت کے اندھیروں میں
وہی تو لمحے مری داستاں میں رہتے ہیں

وہ تیرے پاس تمہارے کہیں نہیں جاتے
تمہاری طرح وہ ہندوستاں میں رہتے ہیں

وہی تو پھول ہیں شیرؔ مری کتابوں میں
جو زخم بن کے مری داستاں میں رہتے ہیں

دو چار قدم بھی ہمیں چلنے نہیں دیتے
بچے ہمیں اب گھر سے نکلنے نہیں دیتے

تھے آتشِ سیال تو گھبراتے رہے لوگ
اب موم بنے ہیں تو پگھلنے نہیں دیتے

رُت بدلی ہے بدلا مگر اہلِ گلستاں
پھولوں کو لباس اپنا بدلنے نہیں دیتے

تم نے ہی بنایا ہمیں تنہائی کا عادی
لوگ باندھ کے رکھا ہے کہ چلنے نہیں دیتے

یہ لوگ اندھیروں سے نکل آئے ہیں شاید
سورج کو ہیں روکے ہوئے ڈھلنے نہیں دیتے

ہر وقت رہا کرتے ہیں ہم برسرِ پیکار
حالات کچھ ایسے ہیں سنبھلنے نہیں دیتے

ہمسائے کے شعلوں میں گھرے رہتے ہیں لیکن
ہم اُن کے گھروں کو کبھی جلنے نہیں دیتے

ہم لوگوں کو اب بھی ہے ضرر سہنے کی عادت
سر پر ہے مصیبت بھی تو ٹلنے نہیں دیتے

جو دوست نہیں اُن کا سلوک اچھا ہے تنویرؔ
اک آپ ہیں آنکھوں سے نکلنے نہیں دیتے

●

یہ لوگ وہ ہیں جو پرکھوں کی شان رکھتے ہیں
پھٹے لباس میں بھی آن بان رکھتے ہیں
زمین والوں سے جھک کر کبھی نہیں ملتے
ہم اپنے سر پہ کئی آسمان رکھتے ہیں
یہ کون لوگ ہیں کس شہر سے یہ آئے ہیں
قدم زمیں پہ ہے اونچی اڑان رکھتے ہیں
جہاں پہ آکے گئی تازہ موسموں کی ہوا
کچھ اس طرح کے ہم اپنے مکان رکھتے ہیں
معاشرہ میں جنھیں خود کو زندہ رکھنا ہے
وہ بے نیاز قلندر کی شان رکھتے ہیں
کسے خبر کہ مسافر کوئی ادھر آئے
ہم اپنے گھر کے لئے سائبان رکھتے ہیں
وہ جب بھی پوچھتے ہیں کیا ہے عاشقوں کی زباں
ہم ان کے سامنے اردو زبان رکھتے ہیں
جو لوگ رہتے ہیں شفاف آئینوں کی طرح
وہ لوگ بھی تو دلِ بدگمان رکھتے ہیں

[illegible] اکیسویں صدی نمبر
عزم جوان

نصرت بھی اسی کی ہے تو جاہت بھی اسی کی
دوری بھی اسی کی ہے تو قربت بھی اسی کی
رشتہ ہے کچھ ایسا کہ خفا ہو نہیں سکتا
مرہم بھی اسی کا ہے جراحت بھی اسی کی
یہ حکم ملا ہے کہ قدم رکنے نہ پائیں
منزل بھی اسی کی ہے مسافت بھی اسی کی
جس طرح سے وہ چاہے بنائے کہ بگاڑے
تہذیب بھی اس کی ہے ثقافت بھی اسی کی
جو وقت دکھاتا ہے وہی دیکھتے رہیئے
دستور اسی کا ہے حکومت بھی اسی کی
یہ کونسا انداز ہے کوئی تو بتائے
عجلت بھی اسی کی ہے تو مہلت بھی اسی کی
اس دور کے انسان کو بس دیکھتے رہیئے
دوزخ بھی اسی کی ہے تو جنت بھی اسی کی
میں بندۂ عاصی ہوں مرا کچھ بھی نہیں ہے
رحمت بھی اسی کی ہے عنایت بھی اسی کی
فریاد یہ بے ربط سے کیا فائدہ نیّر
آزادی اسی کی ہے حراست بھی اسی کی

●

اس محلے میں کبھی اونچا مکاں میرا بھی تھا
جب زمیں کی قدر کم تھی آسماں میرا بھی تھا

آپ کے حصے کی ساری دھوپ میں سہتا گیا
آپ بیٹھے ہیں جہاں وہ سائباں میرا بھی تھا

ظلم کر سکتا تھا لیکن ظلم سہتا ہی گیا
آپ اگر ہوتے خفا اس میں زیاں میرا بھی تھا

آپ کی تحویل میں سجادگی جب تک رہی
آپ تھے وارث مگر وہ آستاں میرا بھی تھا

غم زدہ ماحول میں اک آپ ہی تنہا نہیں
جس پہ کل بجلی گری وہ آشیاں میرا بھی تھا

ہر قدم پہ میرے قدموں کے نشاں مل جائیں گے
کل یہاں جو لٹ گیا وہ کارواں میرا بھی تھا

اس زمین خلد کے تنہا تمہیں وارث نہ تھے
تین حصوں میں بٹا ہندوستاں میرا بھی تھا

کیوں اسے تم چھوڑ کر آئے ہو نیر اپنے گھر
وہ بیتے وقتوں کا ساتھی مہرباں میرا بھی تھا

●

یہودیوں کی روش اختیار مت کرنا
اگر ہے ظرف تو پیچھے سے وار مت کرنا

ہوا کے رُخ پہ کئی مورچے بدلتا ہوں
جو بھاگ آئے ہیں اُن میں شمار مت کرنا

بڑے بڑوں کو بگاڑا ہے خود پسندی نے
تم اپنے آپ سے اتنا بھی پیار مت کرنا

گھرا ہوا ہوں ابھی دوستوں کے نرغے میں
میں لوٹ آؤں گا تم انتظار مت کرنا

اُنھی سے آج بھی پرکھوں کی شان باقی ہے
روایتوں کو کبھی داغدار مت کرنا

یہ لوگ وہ ہیں جو میدان چھوڑ جائیں گے
تم اُن کے بازوؤں پہ اعتبار مت کرنا

ضمیر ہے تو ندامت بھی اک کسوٹی ہے
عدو بھی ہو تو اُسے شرمسار مت کرنا

تمام عمر کا اپنا ہے تجربہ نیّر
کسی بھی دوست پہ تم اعتبار مت کرنا

نہیں رہ کے سرداری نہیں کی
مجاہد تھے اداکاری نہیں کی

وفاداری میں ہم تھے حرفِ آخر
کسی سے ہم نے غدّاری نہیں کی

ہمیشہ سچ رہا میری زباں پر
تمہاری طرح عیّاری نہیں کی

یہی سچ ہے ادب کے مجرموں کی
کبھی ہم نے طرف داری نہیں کی

بنامِ دوستی ہی تم نے اب تک
کوئی حرکت بھی معیاری نہیں کی

ہمیں اُس شخص سے ملنا ہے جس نے
کسی کی بھی دل آزاری نہیں کی

مری پلکوں سے کچھ آنسو تو گرتے
کسی نے ایسی غم خواری نہیں کی

لہو کا رنگ لفظوں کو دیا ہے
یوں ہی نیّر نے فنکاری نہیں کی

●

طبیعت میں دل آزاری نہیں ہے
ہمیں ایسی تو بیماری نہیں ہے

یہ کیسا ہے زمانہ ہم میں تم میں
روایت ہے رواداری نہیں ہے

ہماری طرح سے اونچے ہو لیکن
تمہاری فکر معیاری نہیں ہے

نہ جانے کیوں تمہاری دوستی کا
ابھی ہم پر نشہ طاری نہیں ہے

جو کہتا ہوں اسی پر ہوں میں قائم
مرا انداز درباری نہیں ہے

ہٹا سکتے ہو گر اس کو ہٹاؤ
یہ پتھر اس قدر بھاری نہیں ہے

خیالِ یار میں ٹھہرا ہوں بسملؔ
کہا کس نے سفر جاری نہیں ہے

●

لہو بہتا ہوا یہ کہہ رہا ہے
مرا قاتل وزیرِ داخلہ ہے
لہو کے زخم ہیں ماتھے پہ جس کے
وہی رہبر امیرِ قافلہ ہے
کہاں تک جاؤ گے چہرہ بدل کر
ہمارے ہاتھ میں بھی آئینہ ہے

●

تمہارا رتھ چلا تھا جس طرف سے
وہاں پر خون کا دریا بہا ہے
زمیں پر بوجھ بن کے جینے والے
ترا جینا ہی اک لمبی سزا ہے
یہ کس کی آگ کے شعلوں میں نیر
مرا ہندوستاں اب جل رہا ہے

مہکی مہکی راہ گذر ہے
جانے کس خوشبو کا سفر ہے
اوروں سے کیا مطلب مجھ کو
آپ رہیں تو میرا گھر ہے
پاسِ ادب ہے کچھ نہیں کہتی
برسوں سے خاموش نظر ہے
اس سے بڑی کیا دولت ہوگی
پاس ہمارے دیدۂ تر ہے
دوست بنی ہے ساری دنیا
تیری محبت کا یہ اثر ہے
جی بھر کے میں کیسے دیکھوں
حائل جب تہذیبِ نظر ہے
دیکھ رہے ہیں اور نہیں بھی
یہ بھی اک اندازِ نظر ہے

اس سے آگے کچھ نہیں خبر
ختم یہیں پہ اپنا سفر ہے

لوگوں کی طرح عُمر گھٹایا نہیں کرتے
ہم سالگرہ اپنی منایا نہیں کرتے

ہر بات پہ سچ بولنا عادت ہے تمہاری
اس واسطے ہم تم پہ بھروسہ نہیں کرتے

آتے ہیں عقیدت میں کچھ ایسے بھی مقامات
ہم سر کو جھکا دیتے ہیں سجدہ نہیں کرتے

یہ گردِ سفر پاؤں کی زنجیر نہ بن جائے
اس واسطے ہم راہ میں ٹھہرا نہیں کرتے

ہمسائے کی آنکھوں میں ابھی تک بھی ہیں آنسو
اس واسطے گھر اپنا سجایا نہیں کرتے

نیکی کی توقع کریں ہم کس طرح اُن سے
جو بوجھ گناہوں کا اُٹھایا نہیں کرتے

جو لوگ بھی پابندِ سفر رہتے ہیں تنویر
چلتے ہوئے مڑ کر کبھی دیکھا نہیں کرتے

چلنا ہے یا کہ ہم کو ٹھہر جانا چاہیے
پہلے یہ سوچ لیجے کدھر جانا چاہیے

اشکوں سے گفتگو کے زمانے گذر گئے
اپنے لہو کا ہم کو بھی ہنر جانا چاہیے

پھول ہو لبے ریا ہو کہ یا سخن گفتگو
نشتر کی طرح دل میں اتر جانا چاہیے

مے خانہ دور کعبے سے جو مسجد قریب ہے
ہم طے کریں گے ہم کو کدھر جانا چاہیے

ہر کام پر شعور نے یہی مشورہ دیا
جب دل کہے تو ہم کو ٹھہر جانا چاہیے

آوارگی کے دور میں بھی ہم نے یہ کہا
گر دیر ہو تو اپنے ہی گھر جانا چاہیے

نیر تمام عمر نہ شرمندہ ہم رہیں
کچھ ایسا کام دہر میں کر جانا چاہیے

کبھی تو ایسا نہیں تھا یہ آپ کا لہجہ
دلوں کو جیتنے والا وہ کیا ہوا لہجہ
تمام گفتگو میں اس کے نام کر دوں گا
اگر کہیں بھی ملے مجھکو پھول سا لہجہ
ہو خوش نصیب بہت بولنے لگے ہو تم
ہر ایک شخص کو ملتا ہے کب مرا لہجہ
کبھی تو شیر و شکر کی زبان بنتا ہے
کبھی فریب بھی دیتا ہے یہ ترا لہجہ
سنائی دیتا نہیں ہے تو کیا قصور مرا
یہ میرا کب ہے تمہارا ہے بے صدا لہجہ
مرے بزرگ کبھی خیمہ زن یہاں بھی تھے
میں سن رہا ہوں مرے خاندان کا لہجہ
کبھی ملے تو متاعِ حیات نذر کر دوں
وہ گفتگو وہ ترنم وہ آپ کا لہجہ
مجھے تو آپکی باتیں ہی سننے رہنا ہے
غرض نہیں کہ پرانا ہے یا نیا لہجہ
وہ سننا چاہتے ہیں میری گفتگو میں
انہیں پسند ہے اردو زبان کا لہجہ

یہ شہر یہ موسم کی ہوا کس کیلئے ہے
اب تک نہ سنی ہو وہ صدا کس کیلئے ہے

کس طرح ہمیں ترک تعلق کا یقیں ہو
ہم دوست نہیں ہیں تو دعا کس کیلئے ہے

تپتے ہوئے صحرا میں مجھے چھوڑنے والے
جب میں نہیں یہ ٹھنڈی ہوا کس کیلئے ہے

تم رہتے ہو گلشن میں تمہیں کیا نہیں معلوم
جب پھول نہیں ہیں تو صبا کس کیلئے ہے

ہم خانہ بدوشوں کی سمجھ میں نہیں آیا
صحرا میں وہ اک پھول کھلا کس کیلئے ہے

کب تک نہ بتائے گا مجھے اے دلِ ناداں
دلوانہ محبت میں ہوا کس کیلئے ہے

جب کہتے ہو کوئی نہیں آئے گا یہاں اب
جلتا ہوا اس گھر میں دیا کس کیلئے ہے

ہم صبر و رضا کیلئے مشہور ہیں اب بھی
ہم نے نہیں مانگا یہ عطا کس کیلئے ہے

ہم سے تو وہ گھل مل کے رہا کرتا ہے نیئر
ہم یہ نہیں سمجھے وہ خفا کس کیلئے ہے

●

ملک میں اپنے بناتے گا نئی سرکار کون
تھا ہمیں معلوم ہو گا صاحب دربار کون

زندگی بھر زہر جو ذہنوں میں پھیلاتا رہا
لے گیا ہے چھین کر اس شخص کی دستار کون

یہ تو ہم بھی جانتے ہیں تم کو بھی معلوم ہے
صحن میں اپنے اٹھاتا ہے نئی دیوار کون

دوست اپنے تھا دشمن ذہنوں میں بٹ کر رہ گئے
آپ ہی بتلائیے ہے صاحب کردار کون

فلسفے سارے اخوت کے ادھورے رہ گئے
دل میں گر نفرت نہیں ہے ذہن کا بیمار کون

وقت ہر اک در سے خالی ہاتھ لوٹاتا رہا
کس سے پوچھیں لے گیا ہے رونق بازار کون

سب کے ہاتھوں میں بظاہر شاخ گل ہے دوستو
جانتے ہیں ہم یہاں ہے برسر پیکار کون

بے سہارا رہ کے تو نے جب کبھی آواز دی
آ گیا تھا پاس تیرے چھوڑ کر گھر بار کون

عمر ساری اس تمنا ہی میں نیر کٹ گئی
ظرف کا باقی یہاں رکھے گا اب معیار کون

●

فصلِ گل کا یہ بھی نذرانہ ہمیں اچھا لگا
آپ سے مل کر بچھڑ جانا ہمیں اچھا لگا

زندگی کی راہ میں زخمی مسافر کی طرح
آپ کے گھر میں ٹھہر جانا ہمیں اچھا لگا

سب کے سب دانشورانِ شہر بیٹھے ہیں یہاں
اِن طرح داروں میں دیوانہ ہمیں اچھا لگا

دشت وحشت میں فضائے نیستی کے درمیاں
آپ کا یوں زلف بکھرانا ہمیں اچھا لگا

وقت لے کر ہم سے ملنے لوگ آتے ہیں مگر
آپ کا بے وقت آ جانا ہمیں اچھا لگا

روک رکھا تھا ہمیں احباب نے ہم کیا کریں
دیر سے ہی اپنے گھر جانا ہمیں اچھا لگا

جتنے رہبر مل گئے تھے ہم کو بھٹکاتے رہے
لڑکھڑا کر خود سنبھل جانا ہمیں اچھا لگا

ہجر کے موسم میں تیرے دوستوں کے درمیاں
گاہے گاہے اپنا ویرانہ ہمیں اچھا لگا

●

گلاب چہرہ بھی اُس کا نقاب بھی اُس کا
سوال بھی ہے اُسی کا جواب بھی اُس کا

وہ میرا دوست ہے کیا تبصرہ کروں اُس پر
غزل بھی اُس کی ہے اور انتخاب بھی اُس کا

بجز زمین مرے پاس اب بچا کیا ہے
یہ ماہتاب بھی اور یہ آفتاب بھی اس کا

سمجھ میں اُس کے جو آتا ہے کہتا رہتا ہے
خیال بھی ہے اُسی کا خطاب بھی اُس کا

میں کیا کروں کہ مری گفتگو ادھوری ہے
سکون ہی نہیں ہے اضطراب بھی اس کا

غلط لکھا ہے جو اُس نے تو اُس کو پڑھنے دو
کتاب بھی ہے اُسی کی نصاب بھی اُس کا

میں اُس کی ذات میں ضم ہو گیا ہوں کچھ ایسا
کرم ہے مجھ پہ تو ہے احتساب بھی اُس کا

ہمارا کچھ نہیں نیّر یہ جز وفاداری
یہ نیند بھی ہے اُسی کی یہ خواب بھی اُس کا

میں گھر میں تنہا ہی کب ہوں مکان بھی لے جا
زمیں چھوٹ گئی آسمان بھی لے جا
اگر یہ طے ہے سوئے ہجریں تجھکو جانا ہے
تو اپنے ساتھ یہ تیر و کمان بھی لے جا
جو چل پڑا ہوں تو میں تجھکو ڈھونڈ ہی لوں گا
تو اپنے قدموں کے چاہے نشان بھی لے جا
تو کون ہے تری تہذیب کا پتہ تو چلے
جہاں بھی جانا ہو اردو زبان بھی لے جا
کبھی تو بیٹھوں گا میں ٹھنڈی ٹھنڈی چھاؤں میں
دیا ہے تو نے تو یہ سائبان بھی لے جا
تجھے سمجھنے میں لوگوں کو گر یہ نا ل ہے
ہر اک مقام پہ پرکھوں کی شان بھی لے جا

لہو لہان میرے پاؤں اب بھی ہیں نشتر
تو اپنے ساتھ ہی یہ پائیدان بھی لے جا

ہم ہیں پرکھوں کی نشانی اپنی اک پہچان ہے
آپ جسے کہتے ہیں بھارت وہ تو ہندوستان ہے

بے ادب کہہ کر نظر انداز مت کیجیے ہمیں
ہم مہذب ہیں تو یہ اسلاف کا احسان ہے

پہلے اپنے غم کا اندازہ تو کیجے جانِ من
مشورہ دینا کسی پر تو بہت آسان ہے

گھر تلک آئے نہ پہنچی تازہ موسم کی ہوا
جنکی ہیں بے نور آنکھیں جنکا دل ویران ہے

اب کہاں باقی رہا سود و زیاں کا مسئلہ
آپ ہیں تو آپ پر یہ زندگی قربان ہے

غیر کے آگے نہ اٹھا آج تک دستِ سوال
اس قدر تو ہم کو اپنی ذات کا عرفان ہے

کون بتلائے گا تیری بے رخی کا سبب
وہ تو ہم سے مل چکا ہے پھر بھی کیوں انجان ہے

رہزن کی طرح تھا نہ تو رہبر کی طرح تھا
اک شخص نگر اِن میں گلِ تر کی طرح تھا

خوشبو کی طرح سیدھے اترتا گیا دل میں
ہر لفظ ترے طنز کا نشتر کی طرح تھا

ہم کو تو کہیں بھی نہ رکاوٹ نظر آئی
جب جنگل کا سفر پھولوں کے بستر کی طرح تھا

موسم کے بدلنے کا نہ تھا خوف نہ خدشہ
جب آپ کا صحرا بھی مرے گھر کی طرح تھا

محدود ہوا کرتی تھیں اُس وقت اُڑانیں
یہ آسماں جب میرے کھلے سر کی طرح تھا

آہٹ ہے وہی شور، شرابہ وہی ہلچل
یہ شہر کبھی ڈوبتے منظر کی طرح تھا

اُس شخص سے ملنے کی ہے خواہش مجھے نیّر
جو شخص یہاں زلفِ معطر کی طرح تھا

●

تمہارا ساتھ جب تک ہے میں تنہا ہو نہیں سکتا
تمہارے ذکر سے پہلے سویرا ہو نہیں سکتا

تمہارے گھر سے ہی ٹھنڈی ہوا آئے تو بہتر ہے
علاج دوستاں سے ہی تو اچھا ہو نہیں سکتا

کوئی خوشبو اُجالا ہے نہ کوئی راہ ہی جگنو
گذرتے ہیں وہ جس رہ سے یہ رستہ ہو نہیں سکتا

مروت، دوستی، چاہت، محبت اس کی فطرت ہے
وہ میرے جیسا ہوگا آپ جیسا ہو نہیں سکتا

کہاں تک یونہی تم چلتے رہو گے وقت کے ہمراہ
جو اپنا ہو نہیں پایا کسی کا ہو نہیں سکتا

کئی بدلے یہاں موسم تمہاری یاد باقی ہے
تمہارا چاہنے والا اکیلا ہو نہیں سکتا

خدا ہی جانتا ہوگا، تمہارا تجربہ کیا ہے
گرا جو میری نظروں سے وہ اونچا ہو نہیں سکتا

نہ اس میں طنز ہے تیراؔ نہ کوئی تیر و نشتر ہے
کسی کا ہوگا یہ میرا نقیصہ ہو نہیں سکتا

سوال یہ نہیں اب کس نے اس کو شہ دی ہے
سوال یہ ہے کہ کیوں اس نے خودکشی کی ہے

گلاب جسم میں جو لوگ زہر بوتے ہیں
امیرِ شہر نے ان سے بھی دوستی کی ہے

کہاں سے آئے گی تازہ ہوا دریچوں سے
تمہیں نے بیچ میں دیوار جب اٹھا دی ہے

یہ طے ہے اپنا نشیمن نہیں بنائیں گے
اسی زمین پہ ہم نے بھی روشنی کی ہے

بہت ہی جلد یہ موسم بدلنے والا ہے
پتہ چلے گا تمہیں کس سے دشمنی کی ہے

قریب بیٹھنے والوں کو دے دیا دھوکہ
یہ شہر یار بھی اپنا بڑا فریبی ہے

اسی کو لوٹیں گے اک اور قافلے والے
بنامِ رہبری جس نے بھی رہزنی کی ہے

ضمیر بیچ کے جائے گا وہ کہاں نیّر
بڑے بڑوں کو یہاں وقت نے سزا دی ہے

●

اک دیا تھا درمیاں بجھتا ہوا رہنے دیا
آپ نے ہی عمر بھر یہ فاصلہ رہنے دیا

عیب جوئی ہی میں جن کی عمر ساری کٹ گئی
اُن کے ہاتھوں میں بھی ہم نے آئینہ رہنے دیا

منجمد ہو کر نہ رہ جائے کہیں یہ زندگی
ہم نے کافی سوچ کر اُن کو خفا رہنے دیا

ہم بہت ہی سر پھرے تھے جانے ہم نے کس لئے
سر پہ اپنے آپ کا دستِ دعا رہنے دیا

سرحدوں کی نذر ہو جائے نہ اپنی زندگی
آنے جانے کے لئے یہ راستہ رہنے دیا

ختم ہو جاتی کبھی کے اپنے غم کی داستاں
باقی آئندہ یہ لکھ کر سلسلہ رہنے دیا

اپنے ہونٹوں پر بہت سی تلخیوں کے باوجود
اُن کی خوشیوں کے لئے حرفِ وفا رہنے دیا

اک نہ اک دن تو وہ نیّر آئیں گے اس واسطے
اپنے گھر کا ہم نے دروازہ کھلا رہنے دیا

●

پھر وہی نغمۂ دلسوز سنا دے ساقی
پھر وہی شمع غریباں کو جلا دے ساقی

میرے ہاتھوں سے کبھی جام نہ گرنے پائے
شام کا وقت ہے کچھ ایسی دعا دے ساقی

شخصیت کیا ہے مری مجھکو پرکھنے کے لئے
میرے اشعار کو پیمانہ بنا دے ساقی

بن بلائے ہی تری بزم میں آ نکلا ہوں
اپنے ہونے کا تو احساس دلا دے ساقی

تیری دہلیز سے آگے میں کہیں جا نہ سکا
حیثیت کیا ہے مری یہ تو بتا دے ساقی

جن اندھیروں کے ہیں احسان ابھی تک مجھ پر
ان اندھیروں سے بھی اک روز ملا دے ساقی

بزم رنداں میں کسی کو مرا احساس نہیں
کم سے کم تو مرا اعزاز بڑھا دے ساقی

جو سر بزم نہ رکھے تری آنکھوں کا بھرم
ایسے دیوانے کو محفل سے اٹھا دے ساقی

اک نظر دیکھ تو لے غور سے تیرا تو نہیں
اپنے عاشق کو جزا دے کہ سزا دے ساقی

●

سب جانتے ہیں صاحبِ دستار کون تھا
کل تک مرے قبیلے کا سردار کون تھا

درباری سازشوں میں حکومت چلی گئی
سب ہم سے پوچھتے ہیں کہ حقدار کون تھا

جس کی دُعا سے ٹل گئیں ساری مصیبتیں
بستی میں ایسا صاحبِ کردار کون تھا

ملبے میں دب کے رہ گئے بستی کے سارے لوگ
سب پارسا اگر تھے گنہ گار کون تھا

دہشت پسند کہہ تو دیا یہ بتائیے
لاشوں کا شہر شہر خریدار کون تھا

مزدوری کی تو دستِ ہنر کٹ کے رہ گئے
خلعت ملی ہے کس کو سزاوار کون تھا

●

حکمراں کون ہے کس کی نگہبانی ہے
آپ حاکم ہیں مگر ہم کو پشیمانی ہے

جو اداکار تھے وہ بک گئے کرسی کے لئے
بے ضمیروں کی یہاں کتنی فراوانی ہے

آپ ہیں کس کے اثر میں یہ سبھی جانتے ہیں
حاکم مطلق ہیں مگر بے سروسامانی ہے

پابہ زنجیر ہیں ہم پھر بھی سکونِ دل ہے
مطمئن رہ کے بھی کیوں تم کو پریشانی ہے

قتل تہذیب کا دستور کا جاری ہے ابھی
آپ کے دور میں بھی خون کی ارزانی ہے

جل گئی ساری زمیں پھول اُگائیں تو کہاں
جس طرف دیکھئے ویرانی ہی ویرانی ہے

ملک یوں ہی نہیں آزاد ہوا ہے نیّر
اس میں شامل مرے اسلاف کی قربانی ہے

●

اپنا آنگن چھوڑ کر باہر سے آنا کون ہے
کون جانے شہر کو اپنے جلاتا کون ہے

سب کو ہے معلوم لیکن کوئی بھی کہتا نہیں
بھائیوں کے درمیاں دیوار اٹھاتا کون ہے

جل گئی بستی تو ہم آنسو بہا کر رہ گئے
دل جو اجڑے ہیں انھیں جا کر بساتا کون ہے

امن کی باتیں تو سب کے لب پہ ہیں پر دیکھئے
اپنی صدیوں کی وراثت کو بچاتا کون ہے

جب پس پردہ نظر آتے نہیں کوئی بھی ہاتھ
زندگی تجھ کو نشانہ پھر بناتا کون ہے

رحمیوں میں کوئی جب تم سا نظر آتا نہیں
بے گناہوں کا لہو آخر بہاتا کون ہے

آپ جب لاعلم ہیں یارو دکے اس کھیل سے
آگ ان غربت نصیبوں کو لگاتا کون ہے

شہر دل آویز میں سب لیے تمام رشتوں کے لئے
اپنے پرکھوں کی نشانی کو مٹاتا کون ہے

شبنمی لہجوں سے تبسّم تم بھی واقف ہو مگر
گرم جب موسم رہے آنسو بہاتا کون ہے

●

ہم نہ تھے تو کیسے کیسے لوگ خود سر ہو گئے
جن کو چلنا بھی نہیں آتا وہ رہبر ہو گئے

ہم کو کب معلوم تھا نقل مکاں بھی جرم ہے
ہم مہاجر آپ کی بستی میں آکر ہو گئے

ایسا کچھ بدلا نظام خانقاہی دوستو
کل تلک تھے جتنے سجادے قلندر ہو گئے

قید موسم کا بھی اک اندازہ ہوتا ہے مگر
تم کو چھو کر خار جتنے تھے گل تر ہو گئے

سائبانوں کا تصور ذہن میں جاتا رہا ہے
آپ کے ہوتے ہوئے ہم لوگ بے گھر ہو گئے

خود پسندی جانے کس منزل پہ لے جاتی تمہیں
آ گئے محفل میں ہماری تم بھی بہتر ہو گئے

بٹ گئے تھے کتنے ہی خانوں میں ارباب ہنر
آپ کی محفل میں آکر سب برابر ہو گئے

زہر میں ڈوبی ہوئی ہے تازہ موسم کی ہوا
پھول جیسے ہاتھ تیرے آج پتھر ہو گئے

●

ہم یہ بھی جانتے ہیں رئیسِ دکن ہیں کون
شاہین زادے کون ہیں زاغ و زغن ہیں کون
ہم آئے ہیں ابھی یہاں زنداں سے چھوٹ کر
موسم ہے کیا کہیے قتیلِ چمن ہیں کون
تمغے بہادری کے تمہیں مل گئے تو ہیں
یہ تو بتاؤ وارثِ دار و رسن ہیں کون
آنے لگی ہے گو رہِ غربیاں سے روشنی
روشن ضمیر ان میں شہیدِ وطن ہیں کون
دانشورانِ شہر تمہیں کیا بتائیں گے
ہم جانتے ہیں شہر میں اہلِ سخن ہیں کون
تاریخ پر ہماری نظر بھی ہے دوستو
باہر کے لوگ ہم ہیں تو اہلِ وطن ہیں کون
یہ فیصلہ بھی آپ کو کرنا ہے جانِ من
ہم بے ہنر اگر ہیں تو اہلِ سخن ہیں کون؟

نشتر ہمارا اُن سے تعارف نہیں ہوا
سب سے الگ جو بیٹھے ہیں گل پیرہن ہیں کون؟

نیند آئی تو پھولوں بھرا بستر نہیں ہوگا
دیوار اگر ہو گی تو پھر در نہیں ہوگا

راحت کی فراوانی بڑی چیز ہے لیکن
جس گھر میں اداسی نہ ہو وہ گھر نہیں ہوگا

اس راہ کی ٹھوکر مجھے منظور نہیں ہے
جس رہ پہ مرے نام کا پتھر نہیں ہوگا

کچھ ایسی ہی پروائیاں اب چلنے لگی ہیں
اس سال کسی کا بھی کھلا سر نہیں ہوگا

ہمسائے کی نیندوں میں خلل ڈالنے والو
جس کے لئے تم آئے ہو گھر پر نہیں ہوگا

ہم صحرا نوردوں سے بھی ملتے ہوئے رہیے
کل پوچھنے والا کوئی رہبر نہیں ہوگا

صحرا کے مکیں آئیں گے کس آس میں نیر
جب آپ کے گلشن میں گلِ تر نہیں ہوگا

مقتل کی سرزمیں ہے کھلا سر ہی لے چلیں
گر ہاتھ میں قلم نہیں خنجر ہی لے چلیں

کیا جانے ختم ہو گی کہاں زندگی کی شام
آنکھوں میں کیوں نہ شہر کا منظر ہی لے چلیں

بازار میں بھی کچھ نہیں رسوائی کے سوا
یہ مسئلہ انا کا ہے گھر پر ہی لے چلیں

طاقت ہے بازوؤں میں مگر سہہ نہ پائیں گے
یہ زندگی کا بوجھ ہے سر پر ہی لے چلیں

پھولوں کے شاہزادے ہمیں کیا بتائیں گے
سوغات اپنی ہے تو گلِ تر ہی لے چلیں

برسوں کے بعد پھر نئے مہمان آئیں گے
دل کہہ رہا ہے پھولوں کا بستر ہی لے چلیں

پھر سامنا ہمیں بھی سگِ دشمناں سے ہے
نمبرسے گلی ہے اُن کی تو پتھر ہی لے چلیں

●

سو جاتے ہیں صحراؤں میں بستر نہیں رکھتے
ہم ایسے مجاہد ہیں کوئی گھر نہیں رکھتے

ہم خائف و دشمنوں میں ابھی ظرف ہے اتنا
بوجھ اپنا کسی اور کے سر پر نہیں رکھتے

کچھ لوگ ابھی رہتے ہیں شیشوں کے گھروں میں
اس واسطے ہم ہاتھوں میں پتھر نہیں رکھتے

تہذیبِ گذشتہ کی جھلک باقی ہے ہم میں
ہم لوگ کبھی اپنا کھلا سر نہیں رکھتے

جوگاؤں کے ماحول میں خوش رہتے ہیں وہ لوگ
آنکھوں میں کسی شہر کا منظر نہیں رکھتے

کشکول نہی ساتھ لیے پھرتے ہیں لیکن
گھر بار کو پاس اپنے قلندر نہیں رکھتے

ہر اک کی نظر ٹوٹتی ہے اس واسطے تنبر
ہم اپنے گلستاں میں گلِ تر نہیں رکھتے

کم کم یہ ملاقات یہ سب اُن کیلئے ہے
جو کچھ ہے مدارات یہ سب اُن کیلئے ہے

بھیگے ہوئے موسم کا ہیں عادی تو ہیں لیکن
بے وقت کی برسات یہ سب اُن کیلئے ہے

اُن کے ہی بدن کی ہے یہ پھیلی ہوئی خوشبو
مہکی ہوئی یہ رات یہ سب اُن کیلئے ہے

پہلے ہی سے بھیگا ہوا دامن ہے ہمارا
اشکوں کی یہ برسات یہ سب اُن کیلئے ہے

لگتا ہے کہ میں نے کبھی زلفوں کو چھوا تھا
مہکا ہوا یہ ہاتھ یہ سب اُن کیلئے ہے

بے ربطیٔ گفتار سے کیا لینا ہے مجھ کو
اُلجھی ہوئی یہ بات یہ سب اُن کیلئے ہے

مت پوچھیئے ہیں کیوں تہی دامن رہا نیّر
پھولوں بھری سوغات یہ سب اُن کیلئے ہے

●

تم سے اگر سمجھوتہ ہوتا
گھر کا نہ ایسا نقشہ ہوتا
جان کسی شئے تم نے بھی گنوا دی
ہم سے کم از کم پوچھا ہوتا
جس کی خوشبو ہم تک پہنچے
ایسا اک ہمسایہ ہوتا
خود کو ہم پہچان ہی لیتے
شیشۂ دل گر ٹوٹا ہوتا
بستی بستی گھومنے والا
میرا گھر بھی دیکھا ہوتا
تیری گلی تک جانے والا
کوئی تو ایسا رستہ ہوتا

رہتی کہاں یہ گرمیٔ نیسو
کوئی اگر سمجھایا ہوتا

●

کچھ ایسی ہی جگہ پہ بٹھایا گیا مجھے
لیکن خالی ہاتھ آیا تھا سب کچھ ملا مجھے

اس سر زمیں سے دور بھٹکتا ہوں جب بھی میں
اپنی طرف بلاتا ہے اک راستہ مجھے

کس کس کا نور ہے مری آنکھوں میں دیکھ لو
کیوں مجھ سے پوچھتے ہو کہ کیا کیا ملا مجھے

کچھ اور دن یہیں پہ گذاروں گا اب کی بار
اچھی لگی یہاں کی بھی آب و ہوا مجھے

میں عمر بھر بھٹکنے سے بچ جاؤں گا اگر
ملتا رہے یہیں سے بھی اک آسرا مجھے

اس سال بھی یہ سوچ کے آیا ہوں میں یہاں
دیدار ہو ہی جائے گا پھر آپ کا مجھے

مجھکو قلندروں ہی میں رہنے دو صبح و شام
کرنا ہے زندگی کا ابھی سامنا مجھے

مسند نشیں رہوں گا میں نیّر تمام عمر
اک نسبتِ فقیری اگر ہو عطا مجھے

●

کسی کے گھر میں ہیں روشن یہاں کسی کے چراغ
اجل کے سائے میں جلتے ہیں زندگی کے چراغ
شعورِ غم ہے تو خود کو ٹٹول کر دیکھو
کہاں یہ بجھ گئے ہیں اپنی آگہی کے چراغ
ہم اپنے گھر میں ہواؤں کو چھوڑ آئے ہیں
بجھائے تم نے ہی دیرینہ دوستی کے چراغ
میں سب سے کہتا ہوں اس میں کہاں ہے شرم کی بات
غریب خانے میں جلتے ہیں آپ ہی کے چراغ
یہاں تو ایک قدم بھی تو اٹھ نہیں سکتا
کہاں یہ چھوڑ کے آئے ہو رہبری کے چراغ
بقدرِ ظرف تو مٹی کا تیل کافی ہے
تم آؤ گے تو جلاؤں گا گھر میں گھی کے چراغ

یہ واقعہ ہے کہ تیرہ کسی کی نسبت سے
کہاں کہاں نہ جلے میری شاعری کے چراغ

●

بہت سے لوگ ہیں اب تک بھی بدگماں ہم سے
خطا ہوئی ہے نہ جانے کہاں کہاں ہم سے

زمیں کا قرض چکانے میں دیر کی ہم نے
یوں ہی خفا نہ ہوا ہوگا آسماں ہم سے

ہمارا شہر کی کن بجلیوں سے رشتہ ہے
سوال کرتا ہے ہر روز آشیاں ہم سے

ہیں لفظ پاس، وہ لہجہ کہاں سے لائیں ہم
وہ سننا چاہتے ہیں اپنی داستاں ہم سے

قصور اتنا ہے مڑ مڑ کے ہم نے دیکھا تھا
نکل گیا ہے بہت دور کارواں ہم سے

نہ ٹوٹا اصلی عبارت سے رابطہ اپنا
جدا تو ہو گیا ہے حرفِ رائیگاں ہم سے

معاملہ ہے یہ وابستگی کا برسوں کی
کسی بھی حال نہ، نہ چھوٹے گا آستاں ہم سے

خطا یہی تھی آ جلے بھی ساتھ تھے نہ بسر
تبھی سے روٹھ گئی گھر کی کہکشاں ہم سے

●

روز و شب کی کشمکش میں امتحاں اُس کا بھی ہے
دوستو میری طرح اُجڑا مکاں اُس کا بھی ہے

مدتوں ہم ایک ہی ماحول میں جیتے رہے
جب زمیں دونوں کی ہے تو آسماں اُس کا بھی ہے

اُس کی پیشانی ہے روشن، کس طرح جھٹلاؤں میں
سر جھکا ہے جس جگہ وہ آستاں اُس کا بھی ہے

میں کہاں مفلس رہا نزدیک آ کر دیکھئے
زخم ایک اک میرے دل کا مہرباں اُس کا بھی ہے

کیا کہا بھائی سے میں نے میرا سب کچھ ہے یہاں
میں کھڑا ہوں جس جگہ یہ سائباں اُس کا بھی ہے

جو رہا بزمِ سخن میں حرفِ علت کی طرح
محفلِ یاراں میں ذکرِ رائیگاں اُس کا بھی ہے

صرف رسوائی بنی، ترکِ تعلق کا صلہ
زندگی کا ایک اک لمحہ گراں اُس کا بھی ہے

اُس کا رشتہ بھی رہا ہے آریائی نسل سے
دوستو میری طرح ہندوستاں اُس کا بھی ہے

اُس کا اندازہ بھی نیّر آپ کو ہو جائے گا
دیکھ کر تو آئیے خالی مکاں اُس کا بھی ہے

بھولی بسری ہوئی یادوں سے گزرنا چاہے
دل ترے گھر میں بھی کچھ دیر ٹھہرنا چاہے

سب کے سب مجرم امروز نظر آتے ہیں
کون سمٹے گا اگر کوئی بکھرنا چاہے

دو قدم بڑھ کے اسے دوں گا میں دامن میں جگہ
ہے کوئی آنسو جو پلکوں پہ ٹھہرنا چاہے

فاقہ مستی کا بھرم رکھنا ہے رکھیئے لیکن
کوئی ملتا نہیں جو بھوک سے مرنا چاہے

اپنی پلکوں کو بچھا دوں گا میں اسکی خاطر
آسمانوں سے جو دھرتی پہ اترنا چاہے

سب تہی دست ہیں پوچھوں بھی تو کس سے بہتر
کون ایسا ہے جو دامن مرا بھرنا چاہے

●

اجنبی سمجھا تھا جس کو ہم سفر ہوتا گیا
ساتھ میرے رہ کے وہ بھی معتبر ہوتا گیا

اب کہاں باقی رہا مہمان بننے کا مزہ!
آپ کا گھر ایک دن جب میرا گھر ہوتا گیا

کس قدر دھوکہ دیا ہے خود پسندی نے ہمیں
کم نظر سمجھے تھے جسکو دیدہ ور ہوتا گیا

بیٹھے بیٹھے جب کبھی آنکھوں میں آنسو آ گئے
ہم نے دیکھا آپ کا دامن بھی تر ہوتا گیا

شخصیت میں آپ کی ہم جب تلک ڈوبے رہے
آپ کا ہر وار ہم پر بے اثر ہوتا گیا

اپنی باتیں کس طرح پہونچا سکوں گا آپ تک
خط کا جب مفہوم خود ہی نامہ بر ہوتا گیا

کیوں سنوں تیرہ ہیں اُن کی اتنی لمبی داستاں
جن کے گھر افسانہ میرا مختصر ہوتا گیا

●

کِس کو لانا تھا یہاں کِس کو حیا لائی ہے
اِس سے گلشن نہیں، صحرا کی بھی رسوائی ہے

خوں بہا مانگنا چاہیں بھی تو کِس سے مانگیں
حاکمِ شہر ہی جب خود ہی تماشائی ہے

آپ سے ہم کو تعارف کی ضرورت کیا ہے
آپ جیسوں سے تو برسوں کی شناسائی ہے

کونسا چہرہ ہے بے داغ سبھی جانتے ہیں
آئینہ سامنے ہے اور یہ بینائی ہے

دیکھنا یہ ہے کہ اب رنگِ چمن کیا ہوگا
موسمِ گُل کے لئے پہلی یہ انگڑائی ہے

دوستو اک ذرا موسم کے بدل جانے سے
زندگی موت کی باہوں میں سمٹ آئی ہے

سچ کی بنیاد پہ کب فیصلے ہوں گے نیّر
جرم کِس کا تھا یہاں کِس نے سزا پائی ہے

●

دامنِ دل کو جو اشکوں سے سیا کرتے ہیں
وہ میرے دیدۂ پُرنم میں رہا کرتے ہیں

جن سے خوشبوئے مدارات کا ہوتا ہے گماں
ایسے کچھ لوگ ہمیں روز ملا کرتے ہیں

جب ضرورت تھی کسی کے نہ اُٹھے ہاتھ یہاں
لوگ کیوں جینے کی بے وقت دُعا کرتے ہیں

آسماں سر پہ نہ تو پاؤں کے نیچے ہے زمیں
ایسے عالم میں بھی کچھ لوگ جیا کرتے ہیں

مے کشی شرط نہیں فن کے نکھرنے کے لیئے
وہ بھی خالق ہیں جو اشکوں کو پیا کرتے ہیں

آتشِ دل ہو کہ موسم کی تمازت نبیرؔ
جن کو جلنا ہے بہر حال جلا کرتے ہیں

●

کس طرح ہم کریں گے شامل انہیں خوشی میں
جو لوگ جی رہے ہیں احساسِ کمتری میں

سب میرِ کارواں ہیں کس کس سے جا کے پوچھیں
اپنا سفر ہے جاری اب کس کی رہبری میں

جو اشک بہہ گئے ہیں اُن کو کہاں سے لائیں
تم نے بہت رُلایا ہم کو ہنسی ہنسی میں

بے نقش زندگی کا میں بھی تھا کورا کاغذ
جس وقت آ گئے تھے تم میری زندگی میں

گذرے ہوئے دِنوں کا کس سے حساب مانگیں
اک عمر کٹ گئی ہے اپنی ردا روی میں

اب کے برس بھی نیّر یہ فائدہ ہوا ہے
دشمن بڑھا لیئے ہیں اک تیری دوستی میں

●

زندگی کیوں اِن دنوں اچھی خبر لاتی نہیں
کیوں مری جانب کوئی تازہ ہوا آتی نہیں

چھوڑ آتا ہوں میں دروازہ پہ دستک کے نشان
آپ کے ملنے کی جب صورت نظر آتی نہیں

زندگی میں تجھ سے خوش ہوں پھر بھی تجھ سے ہے گلہ
میں بُرا ہوں تو مجھے کیوں چھوڑ کر جاتی نہیں

آپ آئے ہیں تو مل لوں گا ابھی جلدی ہے کیا
دل ہے جذباتی مگر اتنا بھی جذباتی نہیں

کتنی خود سر ہو گئی ہے آج تنہائی مری
پاس ہے میرے مگر میرے قریب آتی نہیں

زندگی اب کون سے موسم سے رشتہ ہے ترا
کیوں تری خوشبو مری سانسوں کو مہکاتی نہیں

ایک مرکز پر سمٹ آئی سیاہی رات کی
جانی پہچانی کوئی صورت نظر آتی نہیں

تہمت نظارگی کا زخم سہتی ہی رہی
پھر بھی بنجر! چشم نم احسان جتلاتی نہیں

رفیقِ دل کی طرح ساتھ ساتھ چلتی ہے
اک ایسی شمع بھی گھر میں ہمارے جلتی ہے

نہ بجھتی ہے نہ تو پوری طرح سلگتی ہے
یہ کیسی شمع ہے کیوں آنسوؤں میں ڈھلتی ہے

میں کیا بتاؤں یہ ہے اپنے اپنے ظرف کی بات
قلم کسی کا کسی کی زبان چلتی ہے

نہ جانے کون سے لمحوں کی یادگار ہو تم
تمہارے واسطے دل سے دعا نکلتی ہے

ہر انجمن میں مری گفتگو ہوئی ناکام
ہر انجمن میں تمہاری ہی بات چلتی ہے

جہاں کہیں بھی رہو ٹھنڈی چھاؤں میں رہنا
ہمارے دل سے یہی اک دعا نکلتی ہے

شریف لوگ بھی نیر شکست کھاتے ہیں
یہ دنیا اپنی کچھ ایسی بھی چال چلتی ہے

●

ٹھوکر سے ہر نئی مجھے جب سابقہ پڑا
ہر بار مجھ کو تیری طرف دیکھنا پڑا

حالانکہ مجھ کو اسکی ضرورت کبھی نہ تھی
مجبور ہو کے آپ کا قد ناپنا پڑا

آیا تھا زندگی میں کبھی ایسا وقت بھی
خود مجھ کو اپنے گھر کا پتہ پوچھنا پڑا

ترک تعلقات کے بعد آ گیا تھا وہ
پھر اُس کی دوستی کے لئے سوچنا پڑا

تنہائیوں کے غم کو میں جب سہہ نہیں سکا
غم اپنی زندگی کا مجھے بانٹنا پڑا

تا عمر تھا جنھیں مرے لہجے سے اجتناب
اک وقت اُن کو میرا کہا ماننا پڑا

ویسے میں تم سے ملتا تو ہوں اس کے باوجود
دشمن ہے دوست کون مجھے سوچنا پڑا

●

پھولوں کو لیئے ہاتھوں میں نکلا ہوں میں گھر سے
اک رشتہ دیرینہ ہے "خوشبو کے سفر" سے
اب تک ہمیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی
تم نے ہمیں دیکھا تھا کس اندازِ نظر سے
ایسا کے گا کون اتنا بتا دیجئے ہم کو
اٹھ کر تو چلے جائیں گے ہم آپ کے در سے
دامن میں سمیٹے رہے ہم تحفہ سمجھ کر
پھولوں کے حوالے سے بھی پتھر کئی برسے
کیا بات ہوئی ہم تہی دامن رہے برسوں
لوٹا نہ کوئی آج تلک آپ کے گھر سے
دیکھوں گا نہ ہرگز میں کسی اور کی جانب
جو کچھ مجھے ملنا تھا ملا آپ کے در سے

دشمن کی نگاہوں سے تو بچ جاؤ گے نیر
اللہ بچائے تمہیں اپنوں کی نظر سے

●

کم از کم اتنا اب احسان کر دے
تجھے میں دیکھ لوں ایسی نظر دے

میں خالی ہاتھ ہوں رہنے دے مجھ کو
تہی دامن کسی کا ہے تو بھر دے

مجھے کیا عامیانہ گفتگو سے
اگر دینا ہے لہجہ معتبر دے

میں بیٹھے بیٹھے اب اکتا گیا ہوں
کوئی ہے جو مجھے اذنِ سفر دے

کوئی گونگا نظر آئے نہ مجھکو
مری باتوں میں اتنا تو اثر دے

ہوں اب بیزار شیشوں کے مکاں سے
جہاں خوشبو ہو مٹی کی وہ گھر دے

میں اُس لمحے سے مل جاؤں گا نیّر
جو ساری مشکلیں آسان کر دے

●

دیکھنا یہ ہے کہ اس محفل میں اپنا کون ہے
تم نہ ہو تو پھر مرے گھر کو سجاتا کون ہے

کتنے برسوں بعد آیا ہے خدایا کون ہے
کوئی بتلائے یہ نیکی کا فرشتہ کون ہے

جس کے خاطر یہ زمیں سیراب ہوتی ہی رہی
چشم تر رکھتے ہوئے بھی اتنا پیاسا کون ہے

آپ تو کہتے ہیں اس میں کوئی بھی رہتا نہیں
اس حویلی میں مگر شمعیں جلاتا کون ہے

دائیں بائیں کوئی بھی مجھ کو نظر آتا نہیں
جب تری نظروں سے گرتا ہوں اٹھاتا کون ہے

مسئلہ رشتوں کا پھر سے آگیا ہے درمیاں
پھول آنگن میں وراثت کے کھلاتا کون ہے

کچھ نہ کچھ پہچان ہوگی اس کی بہتر پوچھ لو
اس بے حال ویرانے میں رہتا کون ہے

●

خشک موسم میں بھی ہم دیدۂ نم رکھتے ہیں
ہم سے ملئے کہ زمانہ کا بھرم رکھتے ہیں

ڈر یہی رہتا ہے دنیا یہ کہیں چھوٹ نہ جائے
درمیاں عقل کے ہم فاصلہ کم رکھتے ہیں

حالت جنگ میں شمشیر بہ کف تم ہو مگر
امن کے ہاتھوں میں ہم لوگ قلم رکھتے ہیں

دل یہ کہتا ہے کہ تم پر بھی اثر ہوگا کبھی
اپنے پہلو میں بھی ہم نشترِ غم رکھتے ہیں

ہم بھٹک جائیں تو کوئی ہمیں پہونچا دے گا
آپ کے گھر کا پتہ ساتھ ہی ہم رکھتے ہیں

اتنا ممنونِ کرم کون ہے نیرؔ کے سوا
آپ یہ کس کے لئے دستِ کرم رکھتے ہیں

●

بھولی بسری ہوئی دستک کی صدا آتی ہے
تم سے جب مل کے یہاں بادِ صبا آتی ہے

ربط ہی ایسا ہے جب آپ سے مل لیتا ہوں
میرے ہاتھوں سے بھی خوشبوئے حنا آتی ہے

بند جب ہو گئے ہیں سارے محلّے کے مکان
کس دریچے سے یہاں تازہ ہوا آتی ہے

دیر تک یوں ہی مہک جاتی ہے کمرہ کی فضا
آپ کی زلفوں کو جب چھو کے ہوا آتی ہے

چشمِ گریاں کبھی تنہا نہیں ہوتی نیّر
غم کسی طرح کا ہو یادِ خدا آتی ہے

•

بہت اندھیرا ہے اب کہکشاں تو ہونا تھا
یہاں پہ آپ ہیں امن وامان تو ہونا تھا

کبھی نہ پوری ہوئی اپنی خواہشِ پرواز
کھلے پروں کے لئے آسماں تو ہونا تھا

زبان رکھ کے اشاروں میں گفتگو کب تک
نیا ہے شہر کوئی ہم زباں تو ہونا تھا

ہوا ہے گرم، کھلا آسمان سر پر ہے
چھپانے سر کو کہیں سائباں تو ہونا تھا

بہت سی باتیں ہیں دل میں کہوں تو کس سے کہوں
تمہاری طرح کوئی راز داں تو ہونا تھا

مرے لئے نہیں، پھر ضبطِ غم کے لئے
تمہاری آنکھوں سے آنسو رواں تو ہونا تھا

یہ مانا ہم نے گذرتے ہو تم یہیں سے مگر
کہیں پہ قدموں کا کوئی نشاں تو ہونا تھا

تمہیں بتاؤ یہ ہیں کس کی بستیاں نئی
ہمارے نقشے میں ہندوستاں تو ہونا تھا

ہر مصیبت میں جیسے کچھ باتیں کرتا رہا!
وہ تری ہر بات سے صرفِ نظر کرتا رہا!

دھوپ تھی سر پر میں ٹھنڈی چھاؤں بنتا تھا
کارواں سے کٹ کے میں تنہا سفر کرتا رہا

رات کالی ہو چکی تھی ان کی حالت دیکھ کر
میں ہی اپنی داستاں کو مختصر کرتا رہا

میرے آنسو پی گیا تھا ہجر کے موسم میں جو
جب ملا مجھ سے مرے دامن کو تر کرتا رہا

گمشدہ ماضی کا تنہائی سے رشتہ جوڑ کر
آپ ہی کا تذکرہ میں رات بھر کرتا رہا

غیر شائستہ سمجھ کر بھول بیٹھے تھے جسے
رفتہ رفتہ آپ کے دل میں وہ گھر کرتا رہا

دیکھیے مت اب مجھے دہشت پسندوں کی طرح
آپ نے جس طرح رکھا تھا بسر کرتا رہا

بے سبب الزام آیا وضع داری پر مری
میں ہی ناداں تھا بھروسہ آپ پر کرتا رہا

اس نے ہی جب سے سکھایا ہے مجھے جینے کا فن
میری ہر اک بات کو جو بے اثر کرتا رہا!

پھر اندھیرے گھر میں میرے روشنی ہو جائیگی
آپ لوٹیں گے تو دنیا دوسری ہو جائیگی

تم سے کیا چھپ جائے گا تم نے کبھی سوچا بھی ہے
ہاتھ پھیلانے سے توہینِ خودی ہو جائیگی

آپ کی یہ آشنائی یوں ہی گر جاری رہی
اک نہ اک دن آپ سے بھی دوستی ہو جائیگی

بن بلائے آپ کی چوکھٹ پہ آ بیٹھوں گا میں
جب کبھی رسوا مری تشنہ لبی ہو جائیگی

بال بکھرائے اسی انداز سے پھر آئیے
آپ کی قربت سے اچھی شاعری ہو جائیگی

اس لیے تم کو پھر کھونا نہیں چاہوں گا میں
ایک اچھے دوست کی پھر سے کمی ہو جائیگی

●

آگ بستی میں لگی تھی ہم بجھا دیتے رہے
تم مگر اپنے طریقے سے ہوا دیتے رہے

ہم تو سرحد پر رہے تھے پھر کس لئے ہم سے گلہ
آپ ہی تو دشمنوں کو راستہ دیتے رہے

ہم کو ہے معلوم یہ بہروں کی بستی ہے مگر
اپنی عادت ہے پرانی ہم صدا دیتے رہے

ان شہیدانِ وطن کی یاد آتی ہے ہمیں
ظلم سہہ کر جو قاتل کو دعا دیتے رہے

جرم کی دنیا میں رہ کر آپ آئے ہیں مگر
یہ تو کہئے کس طرح خود کو سزا دیتے رہے

شہر کے کچھ لوگ تیرے دوستوں کے بھیس میں
نفرتوں کی اک نئی دیوار اٹھا دیتے رہے

●

کیا کچھ بھی سکھایا نہیں تہذیب وفا نے
پہونچایا کہاں تم کو جہالت کی فضا نے

یہ سوچ کے کم ہوں گی تعفن کی فضائیں
کچھ پھول کھلائے تھے یہاں باد صبا نے

یہ جنگ تو خود آپ نے کی ہم پہ مسلط
ہم آئے تھے کب آپ کو محفل سے اٹھانے

رندوں کا مرے شہر میں ابھی کتنا بھرم تھا
مے خانے کو رسوا کیا مسموم فضا نے

اک تیر جو ارجن کا یہاں سہہ نہیں سکتے
وہ لوگ بھی نکلے ہیں ادھر تیر چلانے

وہ جن سے کبھی اٹھ نہ سکا بار شرافت
وہ لوگ چلے آئے ہیں شمشیر اٹھانے

حالات لب و لہجہ بدل دیتے ہیں نیّر
کیوں یاد نہیں ہم کو وہ پھولوں کے زمانے

●

کس طرح دیکھیں گے ہم شمعِ وفا جلتی ہوئی
جب ہے نظروں میں نئی رت کی ردا جلتی ہوئی

ہر جگہ ملتا کہاں ہے چشمۂ آبِ رواں
کس کے گھر جائے گی تہذیبِ وفا جلتی ہوئی

پوچھتے ہم سے ہیں کیوں برفیلے موسم کے مکیں
کونسی جانب سے آتی ہے ہوا جلتی ہوئی

جب بھی خوشبوئے بہاراں آئی زنداں کے قریب
ہم کو پہنائی گئی زنجیرِ پا جلتی ہوئی

ہم سے پوچھو ہم بتائیں گے چمن زادوں کا حال
ہم نے بھی دیکھی ہے پھولوں کی قبا جلتی ہوئی

اُس کی خاصیت میں ٹھنڈک کے سوا کچھ بھی نہیں
آج تک ہم نے نہیں دیکھی حنا جلتی ہوئی

روشنی آئی تو تیرا اُس کی بینائی گئی
جس نے دیکھی تھی غلامی کی چتا جلتی ہوئی

●

دل کے اثر میں ہے کہ نظر کے اثر میں ہے
یہ کونسا چراغ مری رہ گذر میں ہے

اپنی نظر سے شہر کو تقسیم کیوں کروں
جب ساری کائنات مری چشمِ تر میں ہے

نقلِ مکان کے لئے جی چاہتا نہیں
پرکھوں کی اپنے خوشبو ابھی میرے گھر میں ہے

دولت ہمارے شہر میں آئی تو تھی مگر
یہ کیسی چیخ آج بھی دیوار و در میں ہے

رکنے نہ پائیں گے کبھی بڑھتے ہوئے قدم
یہ اپنی زندگی تو مسلسل سفر میں ہے

یہ گیسوؤں کی چھاؤں یہ رخسار کی شفق
نیّر کی زندگی ابھی شام و سحر میں ہے

•

نظر جس پہ ہے اُس کردار تک پہونچا نہیں کوئی
جسے دل چاہے اُس معیار تک پہونچا نہیں کوئی

زیادہ سے زیادہ گھر کے آنگن تک چلے آئے
کسی گرتی ہوئی دیوار تک پہونچا نہیں کوئی

بہت سے ہاتھ ہیں مصروف شاید وضع داری میں
سبب یہ ہے تری دستار تک پہونچا نہیں کوئی

تیرا منصب امیری ہے مرا مسلک فقیری ہے
قلندر ہوں مرے کردار تک پہونچا نہیں کوئی

کہاں تک یوں ہی گونگوں کی زباں میں گفتگو ہوگی
بہت دن سے لبِ اظہار تک پہونچا نہیں کوئی

بہت سوں کو سُنا ہے اونچے لہجے میں یہاں لیکن
مری آواز کی رفتار تک پہونچا نہیں کوئی

عزیزِ مصر پر بھی ختم یوسف کی خریداری
پھر ایسا مصر کے بازار تک پہونچا نہیں کوئی

پسِ پردہ بہت تیر و کماں کا ذکر ہے نیر
اُٹھا کر اپنا سر، دربار تک پہونچا نہیں کوئی

●

ہنستے ہنستے حیات کٹ جائے
جتنی ہے تیرے ساتھ کٹ جائے
تم سے آکر ضرور مل لوں گا
جب بھی یہ کالی رات کٹ جائے
کس طرح دے سکو گے تم دستک
جب تمہارا یہ ہاتھ کٹ جائے
تیرا دامن کبھی نہ چھوٹے گا
چاہے میرا یہ ہاتھ کٹ جائے
تم مجھے دیکھو میں تمہیں دیکھوں
اس طرح ساری رات کٹ جائے

دل سی شے ہر کسی کو دوں گا جب نیّر
لینے والا ہی ہات کٹ جائے

یوں تو ہے اپنی جگہ سرو و سمن کی خوشبو
کم نہیں ہوتی مگر اپنے چمن کی خوشبو

ذہن تو ذہن ہے دل بھی ہے معطر میرا
میری سانسوں میں ہے ارباب سخن کی خوشبو

میں تو ہر بزم میں رہتا ہوں گل تر کی طرح
جسم میں پھیل گئی تیرے دہن کی خوشبو

اپنا احساس دلاتی رہی محفل محفل
بزم انجم کی طرح بزم سخن کی خوشبو

وضع داری نے مجھے باندھ کے رکھا تھا مگر
کھینچ لائی ہے مجھے تیرے بدن کی خوشبو

اس جگہ جانے کو نیر کبھی مائل نہ ہوا
جس کے گھر میں نہ ہو تہذیب دکن کی خوشبو

بستی میں تمہیں ہم تو اترنے نہیں دیں گے
گھر کیا تمہیں آنگن میں ٹھہرنے نہیں دیں گے

موسم کے ہر اک زخم کو سہہ جائیں گے لیکن
تہذیب دکن کو کبھی مرنے نہیں دیں گے

اس راہ پہ کتنے ہی شہیدوں کے مکاں ہیں
اس راہ سے ہم تم کو گزرنے نہیں دیں گے

جب تک نہ کریں آپ علاج غم دوراں
ہم آپ کے زخموں کو بھی بھرنے نہیں دیں گے

طوفاں میں ہمیں چھوڑ کے جاؤ گے کہاں تک
ساحل پہ بھی تم ہو تو ابھرنے نہیں دیں گے

جن لوگوں کو کل تم نے تھا لیے سر و ساماں
وہ تم کو کسی گھر میں ٹھہرنے نہیں دیں گے

حق بات ہمیں کہنے سے مت روکیئے ورنہ
ہم بات اشاروں سے بھی کرنے نہیں دیں گے

ہے طاقت پرواز تو کچھ کر کے دکھاؤ
ہم تم کو کئی قسطوں میں مرنے نہیں دیں گے

نیر ہمیں مل جائے اگر تھوڑی زمیں بھی
ہم اپنے قبیلے کو بکھرنے نہیں دیں گے

آپ کا غصہ خاندانی ہے
اس لیے ہم پہ مہربانی ہے

کیا شکوہ زمین والوں سے
یہ مصیبت تو آسمانی ہے

میرے ماتھے پہ زخم رہنے دو
یہ کسی دوست کی نشانی ہے

اس کا مطلب الگ ہوا تو کیا
ایک ہی طرح کی کہانی ہے

آپ کے سامنے مری ضد نے
بڑی مشکل سے ہار مانی ہے

پھول کھلتے ہیں گر تو کھلنے دو
اب کی رُت بھی بڑی سُہانی ہے

شہر میں جانتے ہیں سب نیر
ہم پہ کِس کِس کی مہربانی ہے

•

یہ سوچتا ہوں اُس کو بھی دنیا نے کیا دیا
شاعر کو جس نے صاحبِ محفل بنا دیا

وہ جا رہا ہے دیکھو تمہارے ہی گھر کی سمت
اندھے کو تم نے کو تسا رستہ دکھا دیا

کل تک جو پھول بیچتا رہتا تھا شہر میں
اُس آدمی کو آپ نے پتھر بنا دیا

وہ شخص خوش تھا شاعرِ فطرت کے نام سے
نقاد کہہ کے تم نے اُسے کیا بنا دیا

تم میزبانِ بزم تھے معلوم سب کو ہے
جب ہم نہ تھے تو بزم سے کس کو اُٹھا دیا

کل تک مری پناہ میں تھے جس کے گھر کے لوگ
اُس شخص ہی نے آج مرا گھر جلا دیا

اہلِ عروض آتے ہیں نیّر سے پوچھنے
کیوں مرثیہ کو تم نے قصیدہ بنا دیا

ہم اپنے شہر میں رہتے ہیں اجنبی کی طرح
ملا نہ کوئی بھی بھرپور زندگی کی طرح

مرا شعور مری فکر چھین لو لیکن
ملوں گا تم سے نئے نام دوستی کی طرح

فریب کاروں کی محفل بھی گفتگو نہ ہوئی
ہر ایک شخص نظر آیا آپ ہی کی طرح

مصافحہ بھی کیا تم نے تم گلے بھی ملے
تمہاری دوستی پھر بھی ہے دشمنی کی طرح

ہر ایک شخص سے کہتا ہوں مجھ سے مل لینا
مرا وجود ہے بہتی ہوئی ندی کی طرح

وہ ہم سے روز ہی ملتے ہیں فصل ہی پاتے
ہمارے دوست ہیں غالب کی شاعری کی طرح

قصور کس کی نظر کا ہے پوچھ لو ان سے
اجالے کیوں نظر آتے ہیں تیرگی کی طرح

ہیں سب کے سب یہاں اپنی تلاش میں تیتر
کوئی بھی ملتا نہیں حرفِ آگہی کی طرح

رخصتی

(ماں کے تاثرات اپنی بیٹی کی جدائی پر)

اے مری صبحِ مسرت! اے مری شامِ بہار
تیری جانب کیوں کھنچا جاتا ہے دل بے اختیار
اے مری سانسوں کی خوشبو! میرے دل کی آرزو
جگنوؤں کی شکل میں رہتی ہے کیوں پلکوں پہ تو
اے مری آنکھوں کی ٹھنڈک! میرے جذبوں کا نکھار
کیوں تجھے میں چاہتی ہوں اس قدر دیوانہ وار
اے مری صبحِ درخشاں! اے مری نورِ سحر
رات دن تھی فکر مجھ کو جائے گی تو کس کے گھر
کونسا شہزادہ تجھ کو اپنے گھر لے جائے گا
ساری خوشیاں زندگانی کی تجھے دے جائے گا
اس طرح میں سوچتے ہی سوچتے جب سو گئی
پچھلی راتوں کے سنہرے خواب میں میں کھو گئی
ایسے عالم میں مجھے بچپن ترا یاد آ گیا
تو مرے آغوش سے ہوتی نہ تھی ہرگز جدا

تیرا بچپن پھول تھا، کلیوں کی اک سوغات تھا
لے سبب رونا بھی تیرا حاصلِ نغمات تھا
پھر رہے ہیں میری آنکھوں میں وہی اب صبح و شام
بس گئی تھی جن میں خوشبو تیری اے ماہِ تمام
تیری اک آہٹ سے ہی بیدار ہو جاتا تھا گھر
نور افشاں بن کے جب اُٹھتی تھی تُو وقتِ سحر
صبح ہونے بھی نہیں پاتی کہ اُٹھ جاتی تھی تُو
ایک ایک گوشے کو میرے گھر کے مہکاتی تھی تُو
تیرا اک ہلکا تبسم اس طرح تھا گلفشاں
گھر کے آنگن میں اتر آئی ہو جیسے کہکشاں
روتے روتے میری باہوں میں سمٹ جاتی تھی تُو
ہنستے ہنستے کس طرح مجھ سے لپٹ جاتی تھی تُو
تیری سانسوں کی مہک جب پھیلتی تھی چار سُو
کس قدر سلجھی ہوئی رہتی تھی تیری گفتگو
ایک نازک سی کلی جب پھول بن جانے لگی
تازہ موسم کی ہوا نزدیک سے آنے لگی
ذہن کب تیار تھا تیری وداعی کے لیئے
دل مرا مغموم تھا تیری جدائی کے لیئے
رخصتی کی رسم میں آنسو بھی ہیں خوشیاں بھی ہیں
رخصتی کی رسم میں مہکے ہوئے ارماں بھی ہیں

●

یوں تو ہر بیٹی کی ہے تقدیر کا یہ فیصلہ
ایسے ہی چلتا رہے گا زندگی کا قافلہ
جیسے جیسے رخصتی کا تیرے وقت آنے لگا
برف بن کر ایک ایک آنسو پگھل جانے لگا
جب بھی آتا ہے ترا اس گھر سے جانے کا خیال
میرے دامن میں سمٹ جاتے ہیں میرے ماہ و سال
جب مرے گھر میں خوشی آئی تو کچھ ایسا ہوا
ہونٹ تھے میرے تبسم ریز، دل روتا رہا
فکر رہتی تھی تری کب رات بھر سوتی تھی میں
رات کی تنہائیوں میں دیر تک روتی تھی میں
فضلِ رب سے آج پورا ہو گیا برسوں کا خواب
کس قدر روشن ہوئی ہے اب مرے دل کی کتاب
زندگی میں کم نہ ہو گی صبح روشن کی ضیا
دل کو مہکاتی رہے گی ٹھنڈے موسم کی ہوا
رکھنا اپنے پاس تو میکے کی یہ سوغات ہے
اپنے ورثے میں یہی مہکی ہوئی برسات ہے
اپنی دیرینہ ثقافت میں کمی آنے نہ پائے
اپنی شائستہ روایت میں کمی آنے نہ پائے
زندگی کا بانکپن ہوتا رہے تجھ پہ نثار
تیرے آنگن میں مہکتی ہی رہے فصلِ بہار

گاہے گاہے اپنے بابل کی طرف بھی دیکھنا
تو کبھی اپنے قبیلے کی طرف بھی دیکھنا
ہاتھ پھیلاتے ہوئے تجھ کو میں دیتی ہوں دعا
زندگی بھر جسم سے اُترے نہ پھولوں کی قبا

جذبۂ اخلاص کی ہر رُت میں سرشاری رہے
کوئی بھی موسم ہو خوشبو کا سفر جاری رہے

دیدۂ پُرنم کی طرح

شہر کے لوگوں میں
جینے کی تمنا ہے مگر
پہلے کچھ لوگ تو
نفرت کو ہوا دیتے ہیں
پھر وہ تجدیدِ محبت کی دُعا دیتے ہیں

•

اپنے اس شہرِ رواداری میں ایسا کیوں ہے؟
لوگ کیوں ملتے نہیں
دیدۂ پُرنم کی طرح

ہم آج کونسی بیماریوں کا ذکر کریں

ہ

وہ بزمِ عیش و طرب ہو کہ بزمِ ماتم ہو
ہر ایک آدمی اب غیر مطمئن کیوں ہے
دکھائی دیتا ہے کیوں حرفِ رائیگاں کی طرح
زمیں پہ رہتا تھا کل تک جو آسماں کی طرح

ہ

ہم آج فرقہ پرستوں سے کیوں پریشاں ہیں
سبھی یہ جانتے ہیں لا علاج ہے یہ مرض
جو زد میں آتا ہے اس کی وہ بچ نہیں سکتا
حیات و موت میں عرصہ سے جنگ جاری ہے
دل و دماغ میں اک کشمکش مسلسل ہے
کوئی بتا نہیں سکتا کہ اس کا کیا حل ہے

ہ

یہ ایک زہر ہلاکت ہے زہر قاتل ہے
جو سوچ فکر کی طاقت کو سلب کرتا ہے
رواں دواں ہے رگوں میں کہاں ٹھہرتا ہے
مگر اب ایسی کٹھن مشکلوں میں رہ کر بھی
جدید دور کا انسان ہارتا کب ہے

اجل ہے سر پہ کھڑی، زندگی سے لڑتا ہے
اگرچہ فاصلۂ موت و حیات میں کم ہے
معاشرہ کی رگوں میں جو زہر پھیلا ہے
اب اس کے واسطے تریاق کون لائے گا

o

ہم آج کونسی بیماریوں کا ذکر کریں
یہاں تو اور بھی بیماریاں ہیں جن کا علاج
بہت ضروری ہے تہذیبِ زندگی کے لئے
بہت ضروری ہے ہر سمت روشنی کے لئے

o

ہم آج کونسی بیماریوں کی بات کریں
معاشرہ ہی نہ ہو پاک و صاف تو کہئیے
خباثتِ دل و جاں کس طرح سے دور کریں

o

کوئی تو ذہنی کشاکش میں مبتلا ہے یہاں
کوئی تو سازشی ذہنوں کی زد میں رہتا ہے
کوئی ہے فرقہ پرستی کے عارضہ کا شکار
کسی کو ہے یہاں احساسِ کمتری کا بخار
کوئی تو کرتا ہے اپنے ضمیر کا سودا
کوئی تو بڑ کھوں کی شائستہ ہر روایت کو
ضمیرِ مردہ کی صورت میں بیچ دیتا ہے

ہم آج کونسی بیماریوں کی بات کریں

o

سکون، چین سے جینا بھی کتنا مشکل ہے
کوئی تو رشتوں میں کچھ فاصلے بڑھاتا ہے
کوئی تو بیچ میں دیوار اک اٹھاتا ہے

o

وہ ایک راہ جو قاتل بھی ہے مسیحا بھی
ہم ایسی راہوں سے اکثر گذرتے رہتے ہیں
بنام دوستی، ہم دشمنوں کے ساتھ بھی ہیں
بنام روشنی تاریکیوں کے ساتھ بھی ہیں

o

مسیحا بن کے اگر کوئی آ بھی جائے یہاں
ہمیں وہ ہوں گے جو دار پر چڑھائیں گے
کہ اس کی راہ میں کانٹے ہمیں بچھائیں گے

o

ہم آج کونسی بیماریوں کی بات کریں
ہزار طرح کی بیماریاں ہیں پھیلی ہوئی

زمیں پہ امن نہ ہوگا تو ہم کہاں جائیں

زمین اپنی مقدس امانتوں کی طرح
ہمیشہ اپنے سپوتوں کی زندگانی میں
بنامِ حسن کئی رنگ بھرتی رہتی ہے
وطن پرست، محبت شناس لمحوں کو
جو دھوپ چھاؤں کے موسم کی طرح رہتے ہیں
ہمیشہ دیدۂ پُرنم میں لے کے پھرتی ہے

○

وہ ایک سلسلہ جو روشنی کا ضامن ہے
ہمیشہ نور کی چادر کو سر پہ اوڑھے ہوئے
تمام عمر اُجالوں کے گیت گاتا ہے
ہر اک قدم پہ ہزاروں دیئے جلاتا ہے

○

ہم اپنے سارے قبیلے کی ہر روایت کو
کبھی تو تیز ہواؤں کی زد میں رہ کر بھی
نگاہِ لطف و کرم، زخم دل کی گرمی سے
ہر ایک طرح کے طوفان سے بچاتے ہوئے

زمیں ہو تو اُسے آسماں بناتے ہیں
یہ اس لیے کہ یہی ریت ہے قبیلوں کی

ہ

عزیز ہوتی نہیں کس کو اپنی آزادی
زمیں چھوڑ کے اپنی کوئی نہیں جاتا
زمینِ دل کی حفاظت تو ہم کو کرنی ہے
وطن کی خاک کی قیمت تو گھٹ نہیں سکتی
وطن کی کوئی بھی سرحد ہو بٹ نہیں سکتی

ہ

زمین ماں ہے ہر اک رُت میں جس کے دامن میں
ہزاروں قسم کے نغمے بھرتے رہتے ہیں

ہ

جہاں کہیں بھی رہیں حریّت کے متوالے
زمینِ پاک کی حُرمت کو اپنے دل میں لیے
وفا شناس فضاؤں کے گیت گاتے ہیں
صلیب و دار پہ رہ کر بھی مسکراتے ہیں

ہ

وطن کی مٹی کی خوشبو ہے جن کی سانسوں میں
وہ لوگ امن کی ہر لمحہ آرزو لے کر
تمام عمر مہکتے ہیں فصلِ گُل کی طرح

ہ

یہ اپنی ماں ہے کہ ہر وقت جس کی چاہت میں
مہکتی رہتی ہے خوشبو ہر ایک موسم کی
ہزار طرح کی راحت ہے جس کی باہوں میں
ہمیشہ پھول ہی رہتے ہیں جس کی راہوں میں

○

یہ اپنی ماں ہے کہ جس کی کرم نوازی سے
ہر ایک سمت گلابوں کی سرزمیں کی طرح
مہکتے چھوتے موسم ہمیں بُلاتے ہیں
وطن پرستی کا درسِ وفا سکھاتے ہیں

○

زمین ماں ہے کہ ہم جس کی مہربانی سے
زمیں پہ رہ کے بھی چھوتے ہیں آسمانوں کو
حقیقتوں میں بدلتے ہیں ہم فسانوں کو
زمین پُرکھوں کی تہذیب کی علامت ہے
زمین دیدۂ پُرنم کی اک امانت ہے

○

زمیں کا قرض چکانے کا وقت جب آئے
وطن کی آبرو، عزت کا احترام کرو
حیات و موت کے سب فلسفے ادھورے ہیں
زمیں پہ امن نہ ہوگا تو ہم کہاں ہوں گے

کچھ ایسا ہوتا رہے آج سارے عالم میں
کسی کا ہاتھ نہ پہنچے کسی کے دامن تک
کچھ ایسا ہوتا رہے معجزہ کی صورت میں
وطن پرستوں کی تصویر جگمگاتی رہے
زمین اپنے شہیدوں کی مسکراتی رہے

آنگن

لاکھ بدلا کریں یہ سود و زیاں کے موسم
ماں کی آغوش ہمیشہ ہی کھلی رہتی ہے
اپنے بچوں کے لئے
چاہے وہ خون کی بارش میں
نہاتے ہی رہیں
چاہے وہ پیرہن گل سے
مہکتے ہی رہیں

وہ تو ہر ایک کو
پلکوں پہ بٹھا لیتی ہے
جیسے کچھ بھی ہو وہ سینے سے لگا لیتی ہے
ماں کی نظروں میں
نہ ہندو نہ تو مسلم کوئی
یہ تو سب اس کے ہی آنگن میں کھلا کرتے ہیں

ماں کی آغوش ہمیشہ ہی کھُلی رہتی ہے

٥

اپنے اِس شہر کی مٹی میں ہے ایسی خوشبو
جس میں تہذیبِ گذشتہ کی مہک باقی ہے
جو کبھی پیار کے لہراتے ہوئے آنچل کی طرح
جو کبھی سلکی کے مہکے ہوئے دامن کی طرح
شہر کے کوچہ و بازار کو مہکاتی ہے

٥

لاکھ بدلا کریں یہ سُود و زیاں کے موسم
ماں کی آغوش ہمیشہ ہی کھُلی رہتی ہے
اپنے بچوں کے لئے
چاہے وہ خون کی بارش میں نہاتے ہی رہیں
چاہے وہ پیراہنِ گُل سے سنورتے ہی رہیں
وہ تو ہر ایک کو پلکوں پہ بٹھا لیتی ہے
جیسے کچھ بھی ہوں وہ سینے سے لگا لیتی ہے

٥

ماں کی نظروں میں تو ہندو بھی ہے مسلم بھی ہے عیسائی بھی
وہ تو سب اُسکے ہی آنگن میں کھیلا کرتے ہیں

شہر کے لوگوں میں جینے کا چلن عام سہی
پہلے کچھ لوگ تو نفرت کو ہوا دیتے ہیں
پھر وہ تجدیدِ محبت کی قسم کھاتے ہیں

○

شہر کی عام فضا سہمی ہوئی ہے لیکن
پھر بھی اک روشنی ماحول کو گرماتی ہے
کتنے لوگوں نے یہاں ایسے بھی منظر دیکھے
گھر میں ہندو کے مسلمان رہے ہیں محفوظ
مطمئن، ہندو، مسلمانوں کے آنگن میں رہے
آج بھی شہر میں نیکی کا دیا جلتا ہے
ایسا لگتا ہے کہ انساں ابھی زندہ ہے

گوہرِ نایاب

چاند بی بی ہو یا کہ نورِ جہاں
رضیہ سلطانہ جیسی کوہِ گراں
یہ وطن کی تھیں گوہرِ نایاب
جن سے مہکا ہوا تھا ہندوستاں

○

ایسی کتنی ہی شمعیں جلتی تھیں
ایسے کتنے ہی دیپ جلتے تھے
جن سے اس ملک میں اُجالا تھا
ہر طرف جن کا بول بالا تھا

سماجی برائیوں کے پس منظر میں

○

معاشرہ میں عجیب ایک رسم جاری ہے
نہ جانے کونسی لعنت سے اس کا رشتہ ہے
کہ جس کی زد میں امیر و غریب برسوں سے
عذاب جرم محبت کی طرح رہتے ہیں
تمام زندگی کانٹوں کے زخم سہتے ہیں

○

معاشرہ میں عجیب ایک رسم جاری ہے
کہ جس نے زہر ہلاکت کی طرح ہر گھر میں
بکھرتے خوابوں، اندھیروں کا جال پھیلا کر
بہت سے لوگوں کو بے خواب کر کے رکھا ہے

○

کہاں سے آئی ہے یہ رسم گھوڑے جوڑے کی
یہ لین دین کی لعنت ہے زخم دل کی طرح
ہر ایک پل میں کئی الجھنیں بڑھاتی ہے
ہر ایک رات یہ شمعیں کئی بجھاتی ہے
شگفتہ پھول بکھرنے لگے ہیں گلشن میں
یہ کیسی رت چلی آئی ہے گھر کے آنگن میں

ہ

وہ لوگ جن کو غریبی ہی راس آتی رہی
یہاں پہ جائیں وہ کس در پہ جل کے رشک نہیں
کوئی بھی شہر میں دروازہ کھولتا ہی نہیں
زبان رکھتے ہوئے کوئی بولتا ہی نہیں

ہ

جوان لڑکیاں سہمی ہوئی سی رہتی ہیں
شگفتہ پھولوں کی بے نام زندگی کی طرح
وہ چہرے جو تھے سرِ شام اک شفق کی طرح
اب ایسے چہروں پہ چھائی ہوئی اداسی ہے
وہ چہرے کل جو یہاں آئینوں کی زینت تھے
وہ چہرے بھول گئے آئینوں کی صورت کو

ہ

جوان بیٹی کی جب عمر بڑھنے لگتی ہے
تفکرات کا ہر لمحہ، زہر بنتا ہے

ہ

جہاں بھی اونچی ہوئی ہوگی ظلم کی دیوار
سہاگنوں کے وہاں جسم جل گئے ہوں گے
ہوائے گرم سے موسم بدل گئے ہوں گے

ہ

معاشرے میں بہت سی برائیاں ہیں لیکن بھی

کچھ ایسے لوگ بھی ملتے ہیں صبح و شام یہاں
شریکِ غم کو وہ دیتے ہیں اتنی آزادی
کہ جس سے حسن کی دولت بکھرنے لگتی ہے

○

کچھ ایسے لوگوں کی شکلیں بھی ہیں نگاہوں میں
نہیں ہے قدر جنھیں اپنے رشتۂ دل کی
طلاق دینے کی مسموم سی فضاؤں میں
اُچھالتے ہیں وہ اسلاف کی شرافت کو
بکھیرتے ہیں بزرگوں کی ہر روایت کو

○

کچھ ایسے رنگ میں دیکھا ہے بعض لوگوں کو
جو لوٹ آئے ہیں بدنام زندگی کی طرف
ہے ربطِ باہمی اب تک بھی غیر اسلامی
تمیز ہی نہیں اُن کو حلال رشتے کی
یہ ایسا جرم ہے انسانیت پشیماں ہے
ہر ایک لمحۂ شائستہ اب گریزاں ہے

○

خدایا ایسے بھی لوگوں پہ رحم فرمانا
جو اپنی راہ سے بھٹکے ہیں راہ پر لانا
نحیف جسم ہیں کمزور موسموں کی طرح
ضعیف ذہن ہیں مجہول عادتوں کی طرح

ضرورت آج ہے اک ایسے مردِ مومن کی
جو ایک مصلحِ اعظم ہو ہر بشر کے لئے
جو ایک چشمِ بصیرت ہو ہر نظر کے لئے

بہت سے مسئلے پیشِ نگاہ اب بھی ہیں
قلم اٹھاؤ! قلم کا رُباب بھی موسم ہے
خزاں کے ساتھ بہاروں میں گنگنانے کا
کچھ ایسا جینے کا انداز اختیار کرو
کہ جس سے دل کی ہر اک بزم اب سنور جائے
ہر ایک موسمِ گل اپنا ہم کلام رہے
قلندروں کی صفوں میں ہمارا نام رہے

وہ ایک سلسلہ

وہ ایک سلسلہ
جو روشنی کا ضامن ہے
ہمیشہ نور کی چادر کو
سر پہ اوڑھے ہوئے
تمام عمر
اُجالوں کے گیت گاتا ہے
ہر اک قدم پہ
ہزاروں دیئے جلاتا ہے

راکھی

چراغ دل کا ہے دیکھو سنبھال کر رکھنا

وفا پرست، محبت شناس، میری بہن
شگفتہ پھول، مہکتا گلاب، موسمِ گل
ادب نواز، وفا آشنا، نگارِ سحر
دلِ فسردہ کی تابندہ شام، صبحِ یقین
شگفتہ ذہن، شگفتہ مزاج، پیاری بہن

ہ

بڑے خلوص سے راکھی جو تم نے بھیجی تھی
بنام صبح، اُجالوں کے اک پیام کے ساتھ
بڑا اُبھر کے سہیلیے میرے دل میں اُتری تھی
یہ شکلِ کہکشاں نورین کے چمکی تھی

ہ

لفافہ کھول کے راکھی کو میں نے جوں ہی چھوا
تمہارے پھول سے ہاتھوں کی انگلیوں کے نشاں
اُبھر رہے تھے کبھی تو وہ زخمِ دل کی طرح
کبھی وہ رنگِ حنا کی طرح نمایاں تھے

ہ

ہر ایک تار تھا راکھی کا جگمگاتا دیا
ہر ایک تار درخشاں تھا صبح نو کی طرح
کہ جیسے جھیکی پلکوں پہ جگنوؤں کی برات

ہ

وہ نرم نرم ملائم وہ مخملیں راکھی
نفیس اتنی کہ جیسے ہو اک گلِ تازہ
مہک رہی تھی فضاؤں میں ٹوٹتے گل کی طرح
نگینے اس پہ تھے پیوست کہکشاں کی طرح
خلوص پیار کی پاکیزہ داستاں کی طرح

وہ لمبی ڈور جو راکھی کی نبض ہو جیسے
جھکی ہوئی تھی چنبیلی کی ڈالیوں کی طرح

ہ

اچانک ایسے میں اک روشنی کی نرم کرن
فضا میں اُبھری بہت دیر تک وہ لہرائی
وہ ہاتھ اتنے تھے شفاف، اتنے پاکیزہ
گمان ہوتا تھا جیسے ڈھلے ہوں شبنم سے

ہ

بہت سکے کا نپتے ہاتھوں میں ایسی راکھی تھی
امین تھی جو محبت شناس رشتوں کی
وہ اپنا ہاتھ بڑھا ہی رہی تھی چپکے سے

فضائیں جھوم اٹھیں عرش کے جھروکوں سے

o

مہکتے پھولوں میں لپٹی ہوئی عزیز بہن
تمہیں تو یاد نہ ہوگا مجھے ہے یاد ابھی
یہ راکھی آج سے پہلے بھی تم نے باندھی تھی
تصورات میں خوابوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں

o

وفا پرست، وفا آشنا، عزیز بہن
تم اتنا ٹوٹ کے چاہوگی یہ گماں تو نہ تھا

o

رہِ حیات میں کتنے ہی لوگ ملتے ہیں
مگر خلوص، وفا، پیار کی ضمانت کیا

o

تمہیں تو یاد نہ ہوگا مجھے ہے یاد ابھی
اُس ایک شام کو جب تم نے راکھی باندھی تھی
رُکی تھی وقت کی رفتار ایک پل کے لئے
جھکی ہوئی تھیں نگاہیں لطیف جذبوں کی
ہزاروں قسمیں تھیں بھائی بہن کے ہونٹوں پر
تمام عمر یہ رشتے کبھی نہ ٹوٹیں گے

o

مگر یہ سوچ میں بیٹھا ہوں ایسے کچھ رشتے

حوادثات کی زد میں پھر بھی رہ پائیں گے؟

٥

کبھی نہ بھول کے بھی اس کو راہ پر رکھنا
چراغِ دل کا ہے اس کو سنبھال کر رکھنا

قبیلے

ہم اپنے سارے قبیلے کی ہر روایت کو
کبھی تو
تیز ہواؤں کی زد میں رہ کر بھی
نگاہِ لطف و کرم
زخمِ دل کی گرمی سے
ہر ایک آندھی سے
طوفان سے بچاتے ہوئے
زمین ہو تو اسے
آسماں بناتے ہوئے
یہ اس لیے کہ یہی ریت ہے
قبیلوں کی ٭

گورنر آندھرا پردیش جناب کرشن کانت کے نائب صدر جمہوریہ ہند کے عہدہ پر
فائز ہونے کی مسرت میں

خسرو شہر اماں

خسرو شہر اماں! شاہین نظر، عزت مآب
شہر گل افروز کے چڑھتے ہوئے اے آفتاب
آپ اک تازہ ہوا کی طرح آتے تھے یہاں
آپ کی خوشبو سی ہے گلستاں در گلستاں
شب کے زینے سے اتر آئی ہو جیسے کہکشاں
یہ زمیں بننے لگی ہو جیسے پھر جنت نشاں

○

آپ کی سانسوں کی خوشبو شہر میں پھیلی رہی
آپ کے قدموں کی آہٹ دور تک جاتی رہی
یہ محبت کی زمیں ہے صاف درپن کی طرح
اس کا دامن ہے کشادہ ماں کے دامن کی طرح

○

عاشق اردو زباں! تہذیب رفتہ کے امیں
آندھیوں میں جلنے والی آپ کی اک شمع یقیں
خوش نظر، شیریں سخن، حسن تکلم کا وقار
امن کی صورت گری کے آپ ہیں اک شاہکار

ہیں رواداری کے پیکر انجمن در انجمن
مسکراتا، لہلہاتا جیسے پھولوں کا بدن
روشنی کا اک تسلسل آپ کی فکرِ جمیل
الجھنوں میں کام آتی آپ کی روشن دلیل
آپ کے حسنِ طبیعت کا کرشمہ ہے یہی
جس پہ بھی ڈالی نظر مٹی وہ سونا ہو گئی

٥

آپ کی چشمِ کرم کس کس کے دامن پر نہیں
آپ کی اونچی نظر کس کس کے گلشن پر نہیں
کتنے ہی لوگوں کو پہنایا ہے پھولوں کا لباس
کتنے ہی پروانے اب ہیں روشنی کے آس پاس

٥

ہے لب و لہجہ میں اک برجستگی، شائستگی
گفتگو کے حسن میں ڈوبی ہوئی ہے تازگی
ذہن روشن، دل منور، پُر اثر فکر و خیال
بے ریا آئینہ صورت آپ ہیں اپنی مثال
کس سے لیں گے شاعر و فنکار اب دادِ سخن
خالی خالی سی نظر آنے لگی ہے انجمن
یہ زمینِ دلنشیں جب چھوڑ کر جائیں گے آپ
کس طرح قلب و نظر کو اپنے بہلائیں گے آپ
ملک کے ہر دن آپ جس حصہ میں بھی مسند نشیں
یادِ ماضی بن کے ابھرے گی دکن کی سر زمیں

٥

امیر احمد خسرو

لمحوں میں ختم ہو گئی برسوں کی داستاں

●

جب جھک گیا زمین کے قدموں پہ آسماں
لمحوں میں ختم ہو گئی برسوں کی داستاں
کس شان کا تھا خسروِ تہذیب کا سفر
سایہ فگن تھی دیر تلک سر پہ کہکشاں

●

رشتوں کا تھا ہجوم تری زندگی کے ساتھ
کل تک تھے کتنے لوگ تری روشنی کے ساتھ
شب بھر یہ سوچ سوچ کے روتی رہی حیات
ہم نے بھی کب نبھائی تری دوستی کے ساتھ
جب جا رہے تھے چھوڑ کے گھر خسروِ زماں
محسوس یہ ہو رہا تھا کہ خالی ہوا مکاں
اشکوں میں بھیگے لوگ بہت سے ملے مگر
دانشورانِ شعر و ادب جانے تھے کہاں

●

آتے تھے محفلوں میں وہ اِس بانکپن کے ساتھ
جیسے گلوں کا رشتہ ہو صحنِ چمن کے ساتھ
اپنی قلندرانہ طبیعت کے باوجود
باقی تھا ان کا رشتہ ہر اک انجمن کے ساتھ

●

نشانِ پاکستان

(نذرِ دلیپ کمار)

"میں کیوں کر دوں واپس نشانِ پاکستان"

یہی زمین ہے میری یہی مری پہچان
تمہاری طرح سے میرا بھی ہے یہ ہندستان
چراغِ امن ہوں میں دونوں سرحدوں کے لئے
میں کس لئے کر دوں واپس نشانِ پاکستان
دروپدی کو سبھا میں جو کھینچ لائے تھے
خریدنے چلے آرہے ہیں وہ مرا ایمان
ہمارے پُرکھوں نے اِس کو لہو سے سینچا ہے
یہ میری خوشبو ہے سر اور تار میری شان
کہاں کہاں پہ نہیں ہیں ہمارے نقشِ قدم
کہاں کہاں نہیں تہذیب زندگی کے نشان
یہ وہ جگہ ہے کہ کم ظرف بھی پہنچتے ہیں
بہت وشال بہت ہی بڑا ہے ہندستان
ہے اِن کو اُن کی وفاداریوں پہ شک نیّر
جو لڑ رہے ہیں ہتھیلی پہ لے کے اپنی جان

قیادت کے نام

"قیادت" زخم بن جائے تو کہیئے ہم کدھر جائیں

بہت سے راستے ہیں کونسی رہ سے گذر جائیں
"قیادت" زخم بن جائے تو کہیئے ہم کدھر جائیں
لگے ہیں آئینوں کے کتنے ہی دروازے محلوں میں
نگہبانوں سے یہ پوچھو کہاں اہلِ نظر جائیں
ہمیں جب اس زمینِ گلستاں سے خاص نسبت ہے
تو پھر لپٹے بھی دامن کہکشاں پھولوں سے بھر جائیں
بہت سے راہ رو منزل سے بھی آگے نکل آئے
ہمارے رہنما کہتے ہیں رستے ہیں ٹھہر جائیں
جب اس مٹی کی خوشبو سے مہکتے ہیں کئی دامن
تمنا ہے کہ اوروں کی طرح ہم بھی نکھر جائیں
ہوا کا رخ بدل جانے سے، موسم کی تمازت سے
کہاں تک خشک پتوں کی طرح ہم بھی بکھر جائیں
محبت کی فضائیں عام ہوں صحنِ گلستاں میں
گلوں کی آرزو یہ ہے کہ شبنم سے نکھر جائیں

ο

دلوں کو نرم کر دے رہبرانِ قوم و ملت کے

سکھا سبق خدایا تو نے پیار و الفت کے
خدایا ان کے ذہنوں کو اجالوں کی بشارت دے
عداوت ختم ہو آپس کی لازوال محبت دے
کہیں ایسا نہ ہو اس بھیڑ میں ہم پھر سے کھو جائیں
خدایا اپنی نظروں میں بھی ہم رسوا نہ ہو جائیں
نہ ہوں شرمندہ ہم اہلِ وطن کے سامنے یارب
بکھر جائیں نہ ہم اہلِ چمن کے سامنے یارب
کچھ ایسا ہو نئے انداز سے پھر اقتدار آئے
نگارِ صبح کے چہرہ پہ پھر تازہ نکھار آئے
اجالے جتنے بھی تو نے دئے ہیں ہم کو لے یارب
مگر ان رہبروں کو دوستی کا درس دے یارب

وہ ایک شخص

اس ایک شخص نے ظلمت نواز لمحوں میں
اٹھا کے فائدہ لفظوں کی بے زبانی کا
لگایا داغ
ہے گیتوں کے پاک دامن پر

•

یہ مانا ہم نے کہ وہ ایک لفظِ حرماں ہے
مگر وہ شخص بہر حال ننگِ انساں ہے

کس نے کہا پردیسی ہوں

کس نے کہا پردیسی ہوں
کس نے کہا پردیسی ہوں

٥

میرے پُرکھوں کی یہ زمیں
میرا ایماں میرا یقیں
ذرّہ ذرّہ اس کا مکیں
میری جنت بھی ہے یہیں
کس نے کہا پردیسی ہوں
کس نے کہا پردیسی ہوں

٥

یک جہتی کا زندہ نشاں
ساتھ رہیں ناقوس و اذاں
پیار، محبت کا یہ سماں
ہونے نہ پائے ہم پہ گراں

•

کس نے کہا پردیسی ہوں
کس نے کہا پردیسی ہوں

نیہو کا ورما[1] کا لہو
ایک پیالہ ایک سبو
میرا بدن اُس کی خوشبو
ایسی شہرت ہے ہر سو
کس نے کہا پردیسی ہوں
کس نے کہا پردیسی ہوں

٥

میرے لبوں پر اُس کی ہنسی
اُس کے لبوں پر میری خوشی
بٹ نہ سکے گی تشنہ لبی
دونوں کی ہے پیاس وہی
کس نے کہا پردیسی ہوں
کس نے کہا پردیسی ہوں

٥

تیری امانت ہے رادھا
میری امانت ہے سلمیٰ
ایک ہی گھنگرو ایک صدا

[1] پردیپ نیپال سنگھ ورما

دونوں ہیں پابندِ وفا

o

کس نے کہا پردیسی ہوں
کس نے کہا پردیسی ہوں

o

میری زمیں ہے میری ماں
میرا جینا مرنا یہاں
چھوڑ کے اس کو جاؤں کہاں
میرا وطن فردوس نشاں
کس نے کہا پردیسی ہوں

کس نے کہا پردیسی ہوں

o

میرے بھی ہیں گنگ و جمن
مہکا رہے گا میرا چمن
تو ہے سورج میں ہوں کرن
زندہ رہے تو میرے وطن

o

کس نے کہا پردیسی ہوں
کس نے کہا پردیسی ہوں

o

—o—

○

خون کیوں بہتا رہے ؟

کارگل کا مسئلہ ہے جنگ کی جانب رواں
آگ کے شعلوں میں ہے لپٹا ہوا کوہِ گراں
خون سے لکھی نہ جائے سرحدوں کی داستاں
خون کیوں بہتا رہے ؟

○

خون انسانوں کا کب تک اس طرح بہتا رہے
عصرِ حاضر یہ اذیت کب تلک سہتا رہے
اے خدائے لایزل اب ایسے کچھ حالات ہوں
چھاؤں میں ہم امن کی بیٹھے رہیں
دھوپ سے بچتے رہیں

○

یہ ہے ایسی جنگ
جس سے دو پڑوسی ملک ہیں سہمے ہوئے
کیوں نہ ہم آپس میں سمجھوتہ کریں

اپنے قدموں کے نشاں اپنی زمیں پر ہی رہیں
احترام دوستی جاری رہے
سرحدوں کی آبرو باقی رہے

○

بھائیوں کی طرح جینے کا مزہ کچھ اور ہے
کوئی بھی موسم سہی تازہ ہوا کچھ اور ہے

کوئی بولتا ہی نہیں

شگفتہ پھول
بکھرنے لگے ہیں گلشن میں
یہ کیسی رُت چلی آئی ہے
گھر کے آنگن میں

○

وہ لوگ جن کو
غریبی ہی راس آئی ہے
کہاں وہ جائیں

○

وہ کس در پہ جا کے دستک دیں
کوئی بھی شہر میں دروازہ کھولتا ہی نہیں
زبان رکھتے ہوئے کوئی بولتا ہی نہیں

پولیس ایکشن

(۵۰ سال کے بعد بھی)

ہمارے ملک میں کس طرح کا یہ انقلاب آیا
زمیں کا ذرہ ذرہ خونِ انساں پی کے تھرّایا
نقاب اوڑھے ہوئے ہم کو ہر اک محفل میں ملتے ہیں
وہی نیتا جنھوں نے ملک کو نقصان پہونچایا

ہ

یہ کس کا جشن ہے کس کی زمیں پر ہونے والا ہے
ہمارے دوستوں کا رنگ ہی سب سے نرالا ہے
کٹی ہے عمر جن کی دوستو تاریک گوشوں میں
وہ اب کہنے لگے ہیں شہر میں تازہ اجالا ہے

ہ

دکن کی سرزمیں اُس دور میں سونا اگلتی تھی
محبت، آشتی، انسانیت کی رسم چلتی تھی
مساوی روشنی تقسیم ہوتی تھی ہر اک گھر میں
۔۔ ان گھر میں یہاں کے ایکتا کی شمع جلتی تھی

٥

یہ ضد تھی سلطنت کی آخری پہچان مٹ جائے
دکن کی آبرو آئینۂ تہذیب ڈھندلائے
دلوں میں زہر بھرا برسوں سے انکی یہ بھی خواہش تھی
اجالوں کے نگر میں پھیل جائیں موت کے سائے

٥

تمہیں اچھی طرح معلوم ہے کتنے گھر ہوئے ویراں
کچھ اتنا خوں بہا سہمی ہوئی تھی گردشِ دوراں
رضاکاروں کا لے کر نام کیا کیا ظلم ڈھائے ہیں
تمہاری بربریت سے رہے شیطان بھی لرزاں

٥

نہیں ہے جشن کا یہ وقت یہ ہے وقت ماتم کا
خوشی کی بات کیسی یہ سمے ہے دوستو غم کا
ہیں کتنے زخم تازہ یہ کسی مظلوم سے پوچھو
نہیں ہے یہ قصیدہ مرثیہ ہے چشمِ پرنم کا

٥

کوئی کہتا نہیں کیا کیا ہوا پولیس ایکشن میں
تھی کس کی آگ کس کا گھر جلا پولیس ایکشن میں
کہے گی آج بھی ارضِ دکن کی خاکِ تنہائی
کہ کتنے دن لہو بہتا رہا پولیس ایکشن میں

سلسلہ پھولوں کا

وہ کہکشاں ہو کہ وہ گلفشاں کہ نیلم ہو
شمیم ہو کہ نسیم و عتیق ہو کہ عظیم

○

سُہیل ہو کہ وہ فیصل ہو یا قنبل و بلال
مہکتی جھومتی سی وہ جویریہ جوہی

○

وہ عائشہ ہو کہ شائستہ سب ہی میرے ہیں
یہ میرے صحنِ چمن کی ہی تازہ خوشبو ہیں
یہ میرے گوشۂ دل میں نیا اُجالا ہیں

○

خُدایا تجھ سے مری بس یہی ہے ایک دُعا
کرم سے اپنے اُنھیں تُو امان میں رکھنا
کوئی بھی رُت ہو تُو اپنے سائبان میں رکھنا

- کہکشاں، گلفشاں، نیلم زرفشاں، شمیم، نسیم، عتیق، عظیم
  (دختران و فرزندان فہیم و طلعت سلطانہ)
- سُہیل، فیصل، قنبل، بلال، جویریہ، جوہی
  (فرزندان و دختر رفیع الدین جمیل و عشرت عرفانہ)
- عائشہ، شائستہ (دُختران فرخندہ علی ہاشمی (مکین) و زینت ف

سہاگ رات

نئی یہ صبح نئی روشنی مبارک ہو
مہکتی جھومتی یہ زندگی مبارک ہو
ہے اہلِ بزم کے ہونٹوں پہ تازگی رقصاں
دکھائی دیتی ہے ہر اک نگاہ زر افشاں
تمام گھر کے یہ افراد کتنے شاداں ہیں
خوشی کی بزم میں سب صورتِ گلستاں ہیں
ہر ایک گام پہ بکھرے ہیں جاوداں لمحے
مہک مہک کے ابھرتے ہیں گلفشاں لمحے
ملی نگاہ، دل آویز ربطِ باہم کو
مسرتیں چلی آتی ہیں خیر مقدم کو
سہاگ رات کا آنچل ابھی ڈھلنے والا ہے
چراغ، جشنِ چراغاں کا جلنے والا ہے
حسیں، شگفتہ تبسم نواز لمحوں کو
بسائے رکھنا ہے آنکھوں میں سارے جلووں کو
ہمیشہ جلتے رہیں دل میں آرزو کے چراغ
تمام عمر جلیں رسمِ گفتگو کے چراغ
سرور اور بڑھے گا خلوصِ باہم سے
کہ جیسے رشتہ ہو پھولوں کا رقصِ شبنم سے

تم اتنی روشنی پھیلاؤ کہکشاں کی طرح
ہو تازگی نظر صحنِ گلستاں کی طرح
شفق کے ذکر ہی سے صبح و شام ملتے رہیں
نسیم صبح کے دامن میں پھول کھلتے رہیں
ہر ایک دور میں باقی رہے یہ سرشاری
رواں یوں ہی رہے یہ زیست کا سفر جاری

ہم خیال

کچھ ایسا لگتا ہے
تم بھی ہو ہم خیال اُس کے
کہ جس نے عظمتِ انساں کا
سر جھکایا ہے

•

تمھاری شکل سے ظاہر یہی تو ہوتا ہے
تمھاری زندگی پہلے بھی خوشگوار نہ تھی
خزاں نصیب کے گھر میں کبھی بہار نہ تھی

صحنِ چمن میں ۵ پھول

ہیں سب کے سب گلِ تازہ، شگفتگی کے نشاں
یہ سب کے سب گلِ روشن ہیں مثل کا ہکشاں
مرے چمن کی یہ کلیاں ہیں مسکراتی ہوئی
یہ تتلیاں ہیں گلستاں کی گنگناتی ہوئی

یہ پھول میرے ہیں میرے چمن کی خوشبو ہیں
یہ پھول میرے، مرے پیرہن کی خوشبو ہیں
یہ پھول میرے ہیں میرے چمن میں رہتے ہیں
ہمیشہ صحنِ چمن میں مہکتے رہتے ہیں

ہر ایک کا رنگ الگ، ان کی اپنی خوشبو ہے
کہ جیسے ایک ہے گلدستہ، تازہ پھولوں کا
نصیب جاگ اٹھا ہے گلوں کے دامن کا
نفس نفس سے ہے رشتہ دلوں کے درپن کا

٥

تمام پھولوں میں خوشبو ہے ایک جیسی ہی
اگرچہ رنگ ہیں ان کے الگ، ہے شکل جدا!
مگر یہ پھول تو ہیں ایک ہی گلستاں کے

(۱)

نگاہ پڑتی ہے جب میری، میری ذیشان پر
مسرتوں کے سمندر میں ڈوب جاتا ہوں
نگاہ جمتی ہے ذیشان پر ہٹ نہیں سکتی
کہ اُس پہ ختم ہو جیسے گلوں کی رعنائی
نفیس بھی ہے لطافت کی ہے وہ پیکر بھی
حسین بھی ہے بہت اور خوش جمال بھی ہے
کہ جس کے لب پہ ہمیشہ ہی پھول کھلتے ہیں
کہ جس کی آنکھوں میں ہے روشنی شرافت کی
کہ جس کے چہرہ پہ پھیلا ہے نور کا غازہ
وہ بردبار بھی ہے باوقار و سنجیدہ
سلیقہ مند بھی ہے باادب، مہذب بھی
خدا کرے کہ ہمیشہ وہ مسکراتی رہے
کوئی بھی رت ہو سبھی وہ یوں ہی گنگناتی رہے

(۲)

پھر اُس کے بعد نظر اٹھ گئی ہے عظمیٰ پر
جو خوش نگاہ بھی ہے اور خوش مزاج بھی ہے
جو رنگ و نور میں ڈوبی ہوئی سحر بھی ہے
وہ اپنی آپ ہے پہچان معتبر بھی ہے
بہت ذہین سمجھدار کم سخن بھی ہے
خود اپنی ذات میں وہ ایک انجمن بھی ہے

○

مہک سے اُس کی بھی ہر گوشۂ گلستاں میں
نکھر نکھر کے سنورتی ہے چشم بینا میں
شگفتہ عمدہ طبیعت کا وہ بھی منظر ہے
سُبک خرام بھی ہے گرمیٔ نظر بھی ہے
ہے با شعور، نفاست ہے اس کے لہجے میں
لبوں سے اُس کے بھی امرت ٹپکتا رہتا ہے
کہ جیسے پاس کوئی آبشار بہتا ہے

(۳)

فروزاں شمعِ فروزاں کی طرح محفل میں
سُلگتی رہتی ہے اوروں کی روشنی کے لئے
فروزاں رقصِ غزالاں کی طرح گلشن میں
چہکتی رہتی ہے تابندہ زندگی کے لئے

○

فروزاں جب بھی سرِ شام گنگناتی ہے
تو سارے گھر میں ترنم کی لے ابھرتی ہے
وہ خود شناس، محبت نواز خوشبو ہے
جو چہکی چہکی سی آتی ہے میرے کمرہ میں
سلام کرتی ہے کچھ دیر بیٹھ جاتی ہے
پھر اپنے پھول سے نازک لبوں کی جنبش سے
کچھ ایسے پھول کھلاتی ہے جن سے کمرہ میں

گلاب تازہ کی خوشبو مہکنے لگتی ہے
دل و نظر کی عبارت چمکنے لگتی ہے

(۴)

اسی گگن میں ستاروں کی بھیڑ میں افشاں
اسی گگن میں ستاروں کی بزم میں افشاں
کبھی تو کہکشاں بنتی ہے گلفشاں بھی کبھی
وہ اپنے رنگ میں رہتی ہے بے نیازانہ

۵

کتابیں کاپیاں رہتی ہیں اُس کے ہاتھوں میں
کہ جیسے دوست ہیں اس کے رفیق دل کی طرح
کہ جن سے روشنی ملتی ہے ذہن کو دل کو
نگارِ صبح کے دامن میں بھی کبھی افشاں
کرن کرن کی ضیافت میں رنگ بھرتی ہے
وہ آئینہ کے بنا بھی سنورتی رہتی ہے
ہمارے گھر کے اُجالوں میں بھیل جاتی ہے
تمام خوشبوں کو دامن میں لے کے آتی ہے

(۵)

شبستاں، زینتِ محفل کی طرح رہتی ہے
وہ ایک دریلہ ہے شفاف آئینہ کی طرح
شگفتہ پھول کا پیکر دکھائی دیتی ہے
وہ خوش جمال بھی ہے اور وضع دار بھی ہے

نزاکت اتنی کہ آئینہ بن کے رہتی ہے
وہ اپنی بہنوں میں بھی کچھ الگ سی رہتی ہے
کبھی خفا تو کبھی خوش دلی سے رہتی ہے
عجیب رنگ میں رہتے ہیں اس کے شام و سحر
خلوص، پیار کی رہتی ہے سب کی اُس پہ نظر

(۶)

نگاہ جمتی ہے جب میری راحتِ جاں پر
بہت ہی پیاری شگفتہ سی اپنی شاداں پر
تصورات کی دہلیز پر میں بیٹھے ہوئے
بنا رہا ہوں اس کیلئے بھی تاج محل
یہ شاداں موم کی گڑیا ہے پھول سی نازک
ہمارے ذہن پہ دل پہ ہے کب سے چھائی ہوئی
کچھ ایسے لگتا ہے کشمیر کی فضاؤں سے
یہ ایک تحفۂ نایاب گھر میں اترا ہے

٥

شگفتہ اس کے ہیں عارض تو نور چہرہ پر
نگاہیں اس کی ہیں روشن نئی سحر کی طرح
یہ میری شاداں گلِ تر بھی ہے گلِ تازہ
کہ اس کے چہرہ پہ رہتا ہے زلفشاں غازہ

o

شگفتہ پھولوں میں شاداں کی بات ہے کچھ اور
وہ ایک نورِ مجسم ہے حسنِ تابندہ
مہکتی رہتی ہے ہر وقت مثلِ بادِ نسیم

(۷)

یہ بھولی بھالی سی سادہ ہے جس کے آہٹ سے
ہمیشہ آتی ہے خاموش گھنگروؤں کی صدا
نزاکت اس کی ہے ایسی کہ دل کے آنگن میں
سنبھل سنبھل کے وہ اپنے قدم بڑھاتی ہے
بہت ہی نکھری ہوئی ہے وہ سیدھی سادی لگتی ہے

o

وجود اس کا بھی گم بیں ہے نغمگی کی طرح
وہ جب بھی کرتی ہے رک رک کے بات کرتی ہے
وہ جب بھی روتی ہے چہرہ شگفتہ رہتا ہے
عجیب طرح کے ہیں اس کے پیار کے انداز
ذرا سی بات پہ سب سے وہ روٹھ جاتی ہے
پھر ایک پل میں وہ سب کے قریب آتی ہے

(۸)

صدف بھی دیدہ و دل کے لئے ہے ٹھنڈی ہوا

وہ ایک نعمتِ عظمیٰ ہے سارے گھر کے لئے
کہ جس کی خوشبو ہے شامل مری کتابوں میں
کہ جس کا حسن بھی اُترا ہے میری آنکھوں میں
وہ ڈگمگاتی ہوئی لڑکھڑاتی آتی ہے
قریب آتی ہے مجھ سے لپٹ کے روتی ہے
کبھی کبھی وہ بہت دیر مُسکراتی ہے
کہ اس کے رونے میں بھی اک حسین لطافت ہے
کہ جیسے ایک تبسّم ہی گھر کی دولت ہے

(۹)

صنوبر آئی ہے دُنیا میں برکتیں لے کر
کچھ ایسی برکتیں ہیں جن سے سارا گھر روشن
تمام بہنوں میں ہے وہ بھی عظمتِ گلشن
کہ اس کے چہرہ کے تازہ نقوش سے اکثر
تبسّمِ دلِ زندہ کا عکس اُبھرتا ہے
وہ رینگتی ہوئی آئے گی جب بھی آنگن میں
قدم قدم پہ کئی پھول مُسکرائیں گے
تمام موسمِ خوش رنگ، گُل کھلائیں گے

(۱۰)

ہیلہ احتشام مرے گھر کی پہلی منزل ہے

شگفتہ ذہن ہے یہ، روشنی کا حاصل ہے
کہ جس کے زیرِ اثر گھر کی ساری رونق ہے
جو پُر وقار بھی ہے صاحبِ کمال بھی ہے
کبھی جلال بھی ہے وہ کبھی جمال میں ہے

٥

ہمارے گھر کی تمناؤں کا یہ مرکز ہے
وہ چاند تاروں کی مانند دل میں رہتا ہے
یہ احتشام بھی اک نغمۂ مسلسل ہے
جو اپنی لَے سے محبت میں رنگ بھرتا ہے
دھیان میں رہتا ہے شائستہ زندگی کی طرح
کہ جیسے ایک مسلسل سی دلکشی کی طرح
چراغ دیدہ و دل کے جلاتا رہتا ہے
کہانی پڑھ کھوں کی اکثر سناتا رہتا ہے

(۱۱)

ہے سیف بھی مری نظروں میں آگہی کی طرح
مری نگاہ میں رہتا ہے روشنی کی طرح
ذہین بھی ہے سمجھدار مرہم دل بھی ہے
جو میرے گھر کے اجالوں میں پھیل جاتا ہے
تمام گھر کی فضاؤں میں وہ مہکتا ہے
چراغ بن کے ہر اک سمت جگمگاتا ہے

ہے سیفؔ بھی مری نظروں میں زندگی کی طرح
وجود اُس کا ہے پھولوں کی تازگی کی طرح

(۱۲)

ہے شہریارؔ مری زندگی کا آئینہ
کہ جس کی شکل میں میں خود کو دیکھ لیتا ہوں
کہ جس کی پاک نظر میں ہے روشنی کا بدن
ہر ایک لمحہ تابندہ لہلہاتا چمن

ο

یہ شہریارؔ نگینہ ہے چشم روشن ہے
بہت ہی صاف ہے شفاف آئینوں کی طرح
بہت ہی پیارا شگفتہ مزاج روشن دل
گلاب تازہ کی مانند وہ مہکتا ہے
دشیے چلتا ہے ہر اک قدم پہ خوشیوں کے
سدا ملے گا ہمیں درمیاں پھولوں کے

(۱۳)

یہ دلنواز ہے شہبازؔ میرا دیدہ و دل
یہ دلنواز ہے شہبازؔ میری فکر و نظر
ہر ایک پل وہ مرے دل کے پاس رہتا ہے
کہ جس طرح مرے گلشن میں پھول رہتے ہیں

عزیز سب کے لئے ہے سب کا پیارا ہے
نظر میں روشنی دل کے لئے اجالا ہے

ہ

بہت شگفتہ ہے وہ تازہ دم گلوں کی طرح
ہر اک نگاہ میں ہے چشم آبرو کی طرح
چمن میں وہ بھی تو رہتا ہے رنگ و بو کی طرح
دکھائی دیتا ہے پرکھوں کی آبرو کی طرح

(۱۴)

میں جب بھی چہرۂ ابرار دیکھ لیتا ہوں
مسرتوں کی فضاؤں میں جھوم جاتا ہوں
وہ مسکراتا ہوا چہرہ وہ عقاب نظر
نوید صبح کا ضامن، پیام نورِ سحر
تمام گھر میں وہ رہتا ہے روشنی کی طرح
وہ اپنی دنیا میں رہتا ہے زندگی کی طرح

ہ

مہک ہے اسکے بدن میں بھی تازہ پھولوں کی
کہ جیسے ساتھ ہی رہتی ہے اسکے فصلِ بہار
ابھی تو رینگتا رہتا ہے دھیرے دھیرے سے
ابھی تو لیتا ہے کروٹ کچھ اور دن کے بعد
بڑھانے والا ہے دہلیز سے بھی آگے قدم

بہت ہی جلد وہ اُترے گا گھر کے آنگن میں
پھر اس کے بعد ملے گا وہ ہم کو گلشن میں

(۱۵)

نئی کرن ہے نویدِ سحر، نصر میرا
تمام گھر کے لئے گھر کی روشنی کے لئے
نعیم و گوہرِ نایاب کا یہ تحفہ ہے
کہ جن کے پیار محبت کی پہلی خوشبو ہے

ہ

یہ پہلی خوشبو ہے گوہر، نعیم کی ایسی
کہ جس سے سارے قبیلے میں جشن برپا ہے
کہ سرزمینِ عرب میں وہ پھول مہکا ہے
زمینِ پاک کی خوشبو ہے اُس کی آنکھوں میں

ہ

نصر بھی گھر کے اُجالوں میں وہ اُجالا ہے
جو اپنی ذات میں روشن رہے گا عمر تمام
رہے گی دیکھنا پرکھوں کی شان اس میں بھی
وہ نیک بخت نما محبت کا ترجمان بھی ہے
زمین بھی ہے مری میرا آسمان بھی ہے

ہ

خدایا! میرا یہ گلشن یوں ہی مہکتا رہے

کوئی بھی رت کوئی موسم ہو لہلہاتا رہے
خدا کرے کہ رہے یوں ہی سب کی اونچی نظر
نہ رکنے پائے کبھی یہ خوشبوؤں کا سفر
خدایا یہ مرے گلشن کے ہیں گلِ تازہ
کھلا ہمیشہ رہے ان کے دل کا دروازہ
خدایا یہ مری آنکھوں میں دل میں رہتے ہیں
یہ میرے دل کی ہیں دھڑکن مری حیات کا رنگ
یہ پھول میرے ہیں تا عمر یوں ہی مہکیں گے
کہ انکے سر پہ ہمیشہ ہی سائبان رہے
زمیں بھی اُن کی رہے اُن کا آسمان رہے

(۱) ذیشان (نجم السحر ذیشان بنت سراج الدین سلیم (۲) افشاں (بشیرت نور افشاں) بنت سراج الدین سلیم (۳) فرزانہ (فرزانہ منہاج بنت منہاج الدین خسرو (۴) عظمیٰ (عظمیٰ عارف بنت شمس الدین عارف (۵) شبستاں (رحمت شبستاں) بنت سراج الدین سلیم (۶) شاداں (شاداں منہاج) بنت منہاج الدین خسرو (۷) سارہ (سارہ عارف) بنت شمس الدین عارف (۸) صدف عارف بنت شمس الدین عارف (۹) صنوبر درخشاں بنت سراج الدین سلیم (۱۰) احتشام (احتشام الدین عارف) فرزند شمس الدین عارف (۱۱) سیف (سیف الدین عارف) فرزند شمس الدین عارف (۱۲) شہریار (شہریار منہاج الدین حسین) فرزند منہاج الدین خسرو (۱۳) شہباز (شہباز سلیم) فرزند سراج الدین سلیم (۱۴) ابرار (منہاج الدین حسین) فرزند منہاج الدین خسرو (۱۵) نصر (نصر الدین نعیم) فرزند نعیم الدین پرویز۔

●

کوئی بھی رُت ہو سر پہ مرے آسماں رہے
اونچا کچھ اور بھی مرا ہندوستاں رہے
موسم بدلتے ہیں تو بدلتے رہیں مگر
بادِ نسیم میرے لئے مہرباں رہے

●

خیال و فکر میں باقی رہے گی یُوں ہی سرشاری
دلیلِ صبح بن کر جاگ اُٹھی ہے اپنی فنکاری
ہر اک گوشے پہ محفل کی خدا کی مہربانی ہے
رہے گا ہر نئے موسم میں خوشبو کا سفر جاری

●

لگتا ہے کہ ہر پھول یہاں کا گُلِ تر ہے
دل کہتا ہے یہ محفلِ تنویرِ نظر ہے
ہر رُت میں اسی طرح کئی پھول کھلیں گے
ہر ایک کی نظروں میں ابھی نورِ سحر ہے

●

کون ہے بزم میں یہ کس کی مہک ہے ہر سُو
کس کے ہاتھ آئی ہے تہذیبِ دکن کی خوشبو
رقص کرنے لگے وہ لوگ بھی دیکھو نیر
ہم نے باندھے ہی نہیں پاؤں میں جن کے گھنگرو

●

آرزو بھٹکی ہوئی ہے تو نکھر جائے گی
عظمتِ فن کی ہر اک شکل سنور جائے گی
مجھ کو بھی دیجئے جو رس ہے کو بتاؤں میں
آپ چاہیں تو غزل دل میں اُتر جائے گی

●

فکر میں اپنی نہ کوئی بھی طرف داری رہے
شاعری اپنی نہ سرکاری نہ درباری رہے
نیّرِ آشفتہ سر اپنا یہی ہے فیصلہ
کوئی بھی موسم ہو "خوشبو کا سفر" جاری رہے

سل جائیں گے تم دیکھنا سب چاک گریباں
دہلیز تلک آئی ہے پھر فصلِ بہاراں
کچھ آئیں گے کچھ جائیں گے بس یوں ہی چلے گا
خالی نہ رہے گی کبھی یہ محفلِ یاراں

کانٹے نہ بچھا دینا مری راہ گزر میں
میں رک نہ سکوں گا کبھی "خوشبو کے سفر" میں
کچھ اہلِ وفا بیٹھے ہیں آنکھوں کو بچھائے
جانا ہے مجھے محفلِ سوغاتِ نظر میں

مجھ سے نہ کبھی چھینیئے جیتی ہوئی بازی
ہرگز نہ ہو کم آپ کی شاہین نوازی
محمود کے بننے میں ابھی وقت لگے گا
میں خوش ہوں مرے ساتھ ہے ابھی تک ہے ایازی

●

نہ جانے کیوں ہے یہاں اتنا شاعروں کا ہجوم
یہ کس کی بزم میں آئے ہیں مجھ کو کیا معلوم
بہ شکل گل کئی دست حنائی بڑھنے لگے
سمجھ میں آیا مرے زندگی کا اب مفہوم

●

ہے تری شائستگی محفل میں جب سے زر فشاں
یہ زمیں رنگ و بو بننے لگی ہے آسماں
کس طرف دیکھوں سمجھ میں کچھ نہیں آتا مری
جس جگہ میں ہوں وہاں ہے کہکشاں ہی کہکشاں

●

میں پوچھتا رہتا ہوں یہی باد صبا سے
رشتہ ہے مرا کون سے موسم کی ہوا سے
کچھ ایسے بھی بے خانماں احباب ہیں نسیم
ہے واسطہ اُن کو نہ سزا سے نہ جزا سے

●

نظر کے زخم بھرتی ہے نمازِ صبح گاہی بھی
تبھی ہاتھوں میں آتا ہے نظامِ خانقاہی بھی
یہ ہر عالم یقیناً یہ بھی اک فیضانِ رحمت ہے
فقیروں ہی کے سائے میں ہے یہ دربارِ شاہی بھی

●

مثالِ آئینہ اپنے میں ایسی خُو رکھنا
کہ ذہن پاک ہو ایسی ہی آرزو رکھنا
ملا ہے ظرف اگر تم کو حرمتِ فن کا
ہمیشہ اپنے خیالات باوضو رکھنا

●

یہ سچ ہے زندوں کی محفل خموش ہے کس کا بیاں باقی
زمیں پر ہیں مگر ہم بھی ہیں کچھ لوگ آفاقی
بہت ہی سوچ کر اقبال نے یہ کہہ دیا نیر
"ذرا نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی"

●

ہر شاعر و فنکار کا اسلوب نیا ہے
ہر اک کے لب و لہجہ میں تغیر آیا ہے
سورج کے مقابل میں ہیں ذروں کی بھی اوقات
اِس بزم میں آ کر ہمیں محسوس ہوا ہے

●

سچ کہتا ہوں یہ سوچ کے نکلا ہوں میں گھر سے
اک رشتہ ہے مرا بھی تو خوشبو کے سفر سے
اے دیدۂ پُرنم تو ذرا اور قریب آ
پھر دیکھنا چاہوں گا تجھے اپنی نظر سے

●

صحرا میں ملے گا نہ گلستاں میں ملے گا
تم کہتے ہو وہ کوچۂ جاناں میں ملے گا
دو چار قدم ساتھ ذرا چل کے تو دیکھو
وہ شخص نہیں بزمِ رفیقاں میں ملے گا

کٹے گی زندگی کب تک یونہی جھوٹے بہانوں میں
خردمندوں سے تنگ آ کر بنا لی جھونپڑی ویرانوں میں
کہاں کیا ہو رہا ہے جھوٹ ہے یہ بھی نہیں معلوم
"تری بربادیوں کے تذکرے ہیں آسمانوں میں"

اس بھرے شہر میں کس کس کا کرو گے ماتم
فائدہ کچھ نہیں کیوں ہوتے ہو تم دیدہ پُرنم
کتنے نااہل نوازے گئے درباروں میں
"طوقِ زریں ہمہ در گردنِ خر می بینم"

رہے گی کب تلک یا رب ادھوری داستاں میری
میں کہتا ہوں مگر سنتا نہیں ہے آسماں میری
سناؤں کس کو میں روداد غم بہروں کی محفل میں
"یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری"

●

مبارک ہو نئے موسم کی چاہت
رہو تم زندگی بھر یہ محبت
خدا کا تم پہ کچھ ایسا کرم ہو
میسر ہو تمہیں دنیا کی راحت

●

ہوئی محصور جب عالم پناہی
کرشمہ کر گئی اک خوش نگاہی
سر شام آ گیا خوشبو کا جھونکا
مہکنے لگ گیا ایوانِ شاہی

●

حیات نو نکھرتی جا رہی ہے
نگاہِ گرم سے شرما رہی ہے
وہاں کھولی گئی ہے زلف شاید
تمہی خوشبو یہاں تک آ رہی ہے

●

●

زندگی بھر کے لئے ہم میں یہ سرشاری رہے
زندگی کے آخری لمحوں تلک یاری رہے
کچھ نہیں مانگوں گا رب سے پھر بھی ہے میری دعا
ذہن اور دل کے ہر گوشے میں بیداری رہے

●

اچانک شہر میں یہ کیا ہوا ہے
جو قاتل تھا مسیحا بن گیا ہے
یہاں جب ہر طرف امن و اماں ہے
مرا گھر کس لئے پھر جل رہا ہے

●

مہتاب سے ملتے ہوئے تیور سے ملوں گا
جاؤں گا چمن میں تو گل تر سے ملوں گا
کچھ لوگوں سے ہر روز کا ملنا نہیں اچھا
فرصت میں کبھی ڈوبتے منظر سے ملوں گا

متفرق اشعار

جہاں کہیں بھی اندھیروں کی رسم چلتی ہے
وہیں پہ ہم کو بھی شمعیں جلانا آتا ہے

•

یہ راہ کچھ بھی نہیں ہم کو دُور جانا ہے
چراغ ہم کو ہر اک گام پر جلانا ہے

•

ہم یہ سمجھ نہ پائے کس طرح کا بشر ہے
پاؤں تو ہیں زمیں پر آکاش پر نظر ہے
آندھیاں عزم کی راہوں میں چلی آئیں مگر
ہم وہ راہی ہیں کہ منزل پہ نظر رکھتے ہیں

•

دھرتی پہ رہنے والا آکاش پر کھڑا ہے
کتنی بلندیوں پر انسان کا مرتبہ ہے

•

دُنیا کو دیکھنے کی مدت سے آرزو ہے
پروردگار میری آنکھوں میں روشنی دے

•

ختم ہونا ہی نہیں اپنے اُجالوں کا سفر
اور کیا چاہیئے اے چشم بصیرت تجھ کو

•

دھرتی سے بہت گہرا رشتہ ہے مرا لیکن
خواہش ہے مگر مجھ کو آکاش کو چھونے کی